بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیر سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۱۱

نومبر ۲۰۱۷ء

صفر المظفر ۱۴۳۹ھ

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔پی۔ ۲۷۶۴۰۴

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

قیمت عام شمارہ: 25 روپے

سالانہ: 250 روپے

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

کوڈ نمبر ——— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ ——— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ ——— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ

500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر £ 15 پونڈ

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشمولات

اداریہ	سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	مبارک حسین مصباحی	۳
	اعتقادیات		
جستجوئے فن	نعتیہ شاعری: افادیت و مقصدیت	ڈاکٹر بی داؤد محسن	۱۰
	فقہیات		
آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۳
	نظریات		
فکر امروز	انسانیت کا تحفظ: وقت کا ایک اہم مسئلہ	صابر رضا رہبر مصباحی	۱۵
	اسلامیات		
دعوتِ اصلاح	محفلِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر چند احتیاطی تدابیر	محمد عرفان حفیظ	۱۷
	شخصیات		
تذکار	فن تجوید و قراءت کے فروغ میں خانوادۂ احمد ضیا قادری کا کردار (آخری قسط)	مولانا قاری محمد عرفان قادری	۱۹
	سیاسیات		
آئینۂ وطن	ہندوستان میں پیدا ہونے والے ہندو نہیں بلکہ ہندوستانی ہیں	روزنامہ راشٹریہ سہارا و انقلاب	۲۳
	بزمِ دانش		
فکر و نظر	طلاقِ ثلاثہ: قرآن و حدیث کی روشنی میں	مولانا ساجد رضا مصباحی / مولانا مبشر رضا ازہر مصباحی	۲۴
	ادبیات		
گوشۂ ادب	اقلیمِ نعت کا سفیر: مہتاب پیامی	ڈاکٹر یعقوب اختر	۳۲
نقد و نظر	بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی: احوال و آثار	تبصرہ نگار: مبارک حسین مصباحی	۳۶
خیابانِ حرم	منظومات	واحد نظیر / حسن رضا اطہر، مضطر مبارک پوری	۴۳
	مکتوبات		
صدائے بازگشت	محمد عابد چشتی ثقافی / محمد قمر رضا / حافظ محمد ہاشم قادری / حامد القادری تیغی مصباحی / نور الہدیٰ مصباحی		۴۴
	وفیات		
سفر آخرت	الحاج سید شاہ نور علی المعروف بہ "حضور عالی" کا وصال پر ملال / ہماری والدہ محترمہ کی وفات / الحاج نور الدین انصاری کی والدہ کا انتقال		۵۰
	سرگرمیاں		
رودادِ چمن	الجامعۃ الاشرفیہ میں جشنِ یومِ مفتیِ اعظم ہند		۵۳
خیر و خبر	جلسہ شہدائے کربلا و جشن یومِ تاسیس مدرسہ حنفیہ / اردو یونیورسٹی حیدر آباد میں فاضل اشرفیہ کی بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر تقرری / اورنگ آباد میں شہیدِ اعظم کانفرنس / مبارک پور میں سالانہ جلسہ شہدائے کربلا		۵۴

اداریہ

مخدومِ عالم حضرت
سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی

رخِ حیات کے چند تابندہ نقوش اور عرسِ مبارک کی کچھ جھلکیاں

مبارک حسین مصباحی

بزرگانِ دین اور مشائخ طریقت کے اعراس حق ہیں، ان کے فیوض و برکات کا چشمۂ نور حیاتِ ظاہری میں بھی ابلتا رہتا ہے اور وصالِ حق کے بعد بھی ایک پر جوش سیلاب کی طرح ہر طرف امنڈ تا رہتا ہے، نہیں بلکہ جسمانی علائق ختم ہوتے ہیں تو روحانی تصرفات میں مزید برق رفتاری پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سب قرآن و حدیث سے بھی ثابت ہے، ان کی بے شمار عملی مثالیں تاریخ اسلام میں بھی موجود ہیں۔

اس وقت ہم بات کریں گے خاکِ ہند کی اس بافیض شخصیت کی جن کے دربارِ گوہر بار میں دنیا کے تمام گوشوں کے لوگ اپنی حاجتوں کو لے کر آتے رہے ہیں، آج بھی آ رہے ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک آتے رہیں گے۔ ہماری مراد ہیں، مخدوم العالم حضور سید اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ العزیز، جن کی بافیض ذات کو اللہ تعالیٰ نے قدوۃ الکبریٰ، قطب الاقطاب اور غوث العالم کا عظیم ترین منصب عطا فرمایا۔

آپ کے والدِ گرامی سلطان ابراہیم سمنانی ایران کے فرماں روا تھے۔ آپ ایک صوفی مشرب بادشاہ تھے، زہد و تقویٰ میں بلند مقام پر فائز تھے، آپ کے دربار میں علما و مشائخ جلوہ بار رہتے تھے، ان دنوں آپ اولادِ نرینہ سے محروم تھے مگر دل میں آرزو بہت تھی، خواب میں دونوں عالم کے مالک و مختار جلوہ گر ہوئے۔ آپ ﷺ نے دو فرزندوں کی بشارت دی، ارشادِ مصطفی ﷺ ہوا، ایک کا نام "محمد اشرف" رکھنا اور دوسرے کا نام "محمد اعرف" رکھنا۔ صبح صادق کے وقت خورشیدِ معرفت طلوع ہوا، ارشادِ مصطفی ﷺ کے مطابق ان کا نام "اشرف" رکھا گیا۔

آپ کی عمر شریف چار سال چار ماہ اور چار دن کی ہوئی، حضرت علامہ محی الدین تبریزی نے "رسم بسم اللہ" کے فرائض انجام دیے۔ حضرت قاری علی بن حمزہ کوفی کی درس گاہ میں حاضر ہوئے اور ایک سال میں قراءت سبعہ کے ساتھ قرآن عظیم حفظ فرمالیا اور چودہ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون میں مقامِ امتیاز حاصل فرمایا۔ والدِ گرامی سلطان ابراہیم نور بخشی سمنانی کا وصال ہوا۔ آپ تیرہ سال کی عمر میں سلطنتِ سمنان کے بادشاہ منتخب ہوئے۔ آپ کے دربار میں بڑے بڑے علما و مشائخ رہتے تھے، دو سال تک حضرت خضر علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کیا، سات سال اذکارِ اویسیہ پر عمل پیرا ہوئے، حضرت خضر علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی ترکِ سلطنت کا حکم فرمایا۔ آپ نے ۲۳؍ سال کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ سے اجازت حاصل فرمائی اور سلطنت کو چھوڑ کر اپنے وطن سمنان سے روانہ ہوگئے۔ دشوار گزار راہوں سے گزرتے ہوئے پہلے تہا اوچھ (ملتان) پہنچے، اس کے بعد دہلی پہنچے، یہاں فیروز شاہ تغلق کی حکومت تھی، دہلی سے آپ بہار کے لیے روانہ ہوئے۔ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری علیہ الرحمہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، یہاں سے آپ پنڈوہ شریف حضرت شیخ علاء الحق بن اسد خالدی ثم لاہوری کی جانب چل دیے، بڑے خلوص و محبت سے حضرت شیخ نے آپ کے استقبال کے لیے پیش قدمی فرمائی اور سواری کے لیے وہ محافہ پیش فرمایا جوان کو حضرت شیخ اخی سراج قدس سرہ سے ملا تھا۔ حضرت مخدوم اشرف پنڈوا شریف میں اپنے انھیں شیخ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، اور خلافت کی دولت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت خضر علیہ السلام سترہ بار حضرت شیخ کو آپ کی آمد کی خبر دے چکے تھے۔

پنڈوہ شریف میں آپ کے قیام اور اکتساب فیض کی مدت آٹھ سال ہے۔ اس دوران بے شمار حقائق و معارف اپنے مرشد گرامی کی صحبت اور ان کے فیض کرم سے حاصل فرمائے۔ مجموعی قیام کی مدت بارہ سال ہے۔ یہیں آپ کے پیر و مرشد نے "جہاں گیر" کا خطاب آپ کو عطا فرمایا۔

جب حضرت مخدوم اشرف کو مرشدِ گرامی حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی نے حکم دیا کہ اب آپ کو جون پور کی ولایت عطا کی جاتی ہے اور

سکونت کے لیے کچھوچھہ مقدسہ عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت شیخ نے آپ کو جھنڈا، گھنٹا اور نقارہ بھی مرحمت فرمایا، خواجگان چشت کی نعمتوں سے سرفراز فرمایا اور حضرت شیخ نے اپنا وہ خرقۂ خاص جو انھیں ان کے شیخ حضرت اخی سراج سے حاصل ہوا تھا، آپ کو عطا فرمایا۔ اس کے بعد مزید دو برس آپ اپنے شیخ کی خدمت میں روحانی استفادہ فرماتے رہے۔ رخصت ہونے سے پہلے آپ نے اپنے شیخ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ اس حلقۂ ولایت میں ایک شیر مرد رہتا ہے، میں وہاں کیسے رہ سکوں گا۔ آپ کی مراد حضرت شیخ حاجی چراغ ہند سہروردی کی ذاتِ گرامی تھی جو حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی کے خلیفہ تھے۔ حاجی چراغ ہند ظفرآباد میں رہتے تھے، یہ سن کر آپ کے شیخ نے فرمایا، یہ شیخ تمھارا کچھ نہیں بگاڑ پائے گا، یہاں تمھیں ایک بچہ ملے گا جو اس کا کام پورا کردے گا۔

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی قدس سرہ (۱۰۰۵ھ—۱۰۹۴ھ) لکھتے ہیں:

"آپ [مخدوم اشرف] کا دستور تھا کہ سفر میں آپ کے ہمراہ گھوڑے، اونٹ، خیمے، خدمت گار، حاجت مند لوگ، فقرا، قلندر اور صوفیا وغیرہ بے شمار ہوتے تھے۔ لطائفِ اشرفی میں لکھا ہے کہ تقریبًا پانچ سو افراد آپ کے ہم رکاب تھے۔" (مرأۃ الاسرار، اردو ص: ۱۰۴۷)

اپنے شیخ کی درگاہ سے رخصت ہوکر قصبہ منیر اور قصبہ محمدآباد گوہنہ ہوتے ہوئے آپ ظفرآباد پہنچے۔ آپ کی حد درجہ مقبولیت دیکھ کر شیخ حاجی چراغ ہند کے دل میں حسد پیدا ہوا، ان ہی ایام میں شیخ کبیر سرہرپوری تحصیلِ علم سے فارغ ہوچکے تھے، ایک مرشد گرامی کی تلاش میں تھے، ایک رات انھوں نے خواب دیکھا کہ ایک نورانی چہرے والے انتہائی خوبصورت بزرگ نے آپ کو بیعت کیا ہے۔ آپ کے دل میں خیال آیا کہ یہ مشہور بزرگ حاجی چراغ ہند ہی ہوں گے، آپ ان سے بیعت ہونے کے لیے ان کی خانقاہ پہنچے مگر ان کا چہرہ وہ نہیں تھا جن سے خواب میں مرید ہونے کا شرف حاصل کیا تھا۔ خیر آپ خانقاہ میں قیام پذیر ہوگئے، اس کے بعد حضرت سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا شہرہ ہوا۔ آپ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ یہی وہ بزرگ ہیں جن سے خواب میں بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی تھی۔ یہی وہ نوجوان تھے جن کا ذکر حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی نے اپنے مرید و خلیفہ حضرت سید مخدوم جہاں گیر سمنانی سے فرمایا تھا۔ اس کے بعد آپ جون پور تشریف لے گئے، وہاں کے لوگوں نے بڑی عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ اس کے بعد آپ اپنے شیخ کی ہدایت کے مطابق کچھوچھہ مقدسہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جوگی اپنے پانچ سو چیلوں کے ساتھ رہتا تھا، ابتدائی طور پر اس نے مخالفت کی مگر جب اس پر آپ کی بافیض روحانی شخصیت واضح ہوگئی تو اس نے اپنے پانچ سو چیلوں کے ساتھ مذہب اسلام قبول کرلیا اور "بابا کمال" کے نام سے متعارف ہوا۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ نے کچھوچھہ مقدسہ میں سکونت اختیار فرمائی، حجرۂ خاص اور دیگر مکانات تعمیر کرائے، ایک خوب صورت باغ لگایا، اس طرح یہ روحانی مقام ایک خوشگوار جنت ہوگیا۔ روضۂ پاک کے تین طرف "نیر شریف" کھودا گیا، پھاوڑے کی ہر ضرب پر کلمہ طیبہ پڑھا جاتا تھا، سات مرتبہ اس میں آب زمزم ڈالا گیا، نیر شریف، پاگلوں، سحر زدہ لوگوں اور آسیب والوں وغیرہ کے لیے آب حیات ہے۔ آپ نے اس مقام کا نام "روح آباد" رکھا، بلاشبہہ "کچھوچھہ" "روح آباد" ہوگیا۔ محسوس دنیا کے حاجت مندوں کی حاجت روائی کا ایک اہم مرکز ہے۔ آپ نے حیاتِ ظاہری میں نہ صرف ہندوستان بلکہ حرمین طیبین یعنی خانہ کعبہ اور بارگاہِ رسول ﷺ میں حاضریاں دیں اور اپنے نانا کے فیوض و برکات حاصل فرمائے۔ بغداد شریف، نجف اشرف، کربلائے معلیٰ، دمشق، قندھار، غزنی، کابل، ملتان، اجودھن، پاک پٹن شریف وغیرہ مقامات پر ایک سو سے زیادہ مشائخ سے اکتسابِ فیض کیا، جگہ جگہ مریدین ہوئے اور بہت سے اہلِ دل کو خلافتیں اور اجازتیں عطا فرمائیں۔ آخری بار سرزمین "اوچ" حاضر ہوئے، حضرت مخدوم جہانیاں قدس سرہ سے شرفِ نیاز حاصل فرمایا، انھوں نے وہ روحانی دولت جو چار سو سے زائد بزرگوں سے حاصل فرمائی تھی، آپ کو عطا فرمائی۔ شیخ عبدالرحمٰن چشتی کی وضاحت ہے کہ "غوثی قطبی رتبے پر پہنچادیا، اس قسم کے کمالات اس وقت کسی بزرگ کو حاصل نہیں ہوئے تھے۔" (مرأۃ الاسرار، ص: ۱۰۵۴)

پھر آپ اپنے روحانی مرکز کچھوچھہ مقدسہ تشریف لائے، بے شمار مسلمانوں کو اپنے روحانی فیوض عطا فرمائے، آپ پیدائشی ولی تھے، نورِ نگاہِ مصطفیٰ ﷺ تھے، اپنے بزرگوں سے بے پناہ عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ آپ کے روحانی فیوض و برکات کل بھی جاری تھے اور آج بھی آپ کا چشمۂ فیض اسی شان سے جاری ہے۔

آسیب زدہ ہوں، مبروص ہوں، جسمانی مریض ہوں، روحانی آشفتہ حال ہوں، آزردہ دل ہوں، شوریدہ خاطر ہوں، شیاطین کے مارے

ہوں، سحر زدہ ہوں، ہر مرض کی دوا ہے حضرت مخدوم اشرف جہانگیر کا آستانہ، کتنے ہی پاگلوں اور حالات کے ماروں کو صحت مند ہوتے دیکھا گیا ہے۔ یہ ایک سچائی ہے کہ ان کے آستانے پر مردوں سے زیادہ خواتین آتی ہیں، مگر سب مزارِ اقدس سے دور بیٹھتی ہیں، اب یہ الگ مسئلہ ہے کہ ان کا شرعی حکم کیا ہے؟ خاص بات یہ ہے کہ مزارِ اقدس کے گرد دور تک حدود ہیں جہاں صاحبِ مزار کے فیوض جاری ہوتے ہیں، خیر ان امور پر بحث بجائے خود ایک اہم مسئلہ ہے۔

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر کے فیوض و برکات بے شمار حضرات کو حاصل ہوئے ہیں، اس میں ملک و بیرون ملک کی کوئی قید نہیں ہے۔ نہ ذات پات کا کوئی مسئلہ ہے اور نہ دین و مذہب کی کوئی تفریق ہے۔ بہت سے حضرات نے ان فیض یافتگان کے تعلق سے کچھ لکھا ہے مگر سچی بات یہ ہے کہ ان تمام فیض یافتگان پر لکھنا تو دور کی بات ہے، ان تمام کی فہرست بنانا بھی انتہائی مشکل ہے۔ ان کے فیوض و برکات کے حوالے سے جو بزرگوں نے تحریر فرمایا ہے، اسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔ محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں:

"او را کچھوچھہ گویند لبی مقام بفیض ست و در میانہ حوض واقع شدہ نام سید در آں دیار او را دفع جن بغایت مؤثر است۔" (اخبار الاخیار)

حضرت شیخ عبدالرحمٰن چشتی فرماتے ہیں کہ شاہ جہاں بادشاہ کے اورنگ سلطنت کا مقدمہ دہلی میں حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے دربار میں پیش کیا تھا تو انھوں نے یہ جواب دیا تھا:

"جس روز سے اس عزیز [سید اشرف جہاں گیر سمنانی] نے ہندوستان میں قدم رکھا ہے، سلطنت ہندوستان کا عزل و نصب انھیں کے آستانے سے مقرر ہے۔"

"حضرت مخدوم اشرف جہانگیر محرم الحرام کے مہینے میں کثیر دینی اور روحانی اشغال میں مصروف رہتے تھے، جس سال آپ کو وصالِ حق حاصل ہوا، وہ محرم الحرام کا مہینہ تھا، ایک دن آپ نے فرمایا: "حق تعالیٰ نے مجھے زندگی کا اختیار بھی میرے ہاتھ میں دیا ہے کہ اگر چاہوں تو زندہ رہ جاؤں، لیکن اس خاکدانِ سفلی میں کب تک رہوں گا، اب میری خواہش یہ ہے کہ گلزارِ علوی کی طرف پرواز کروں۔" (مرآۃ الاسرار، ص:۱۰۵۶)

اس اعلان کے عام ہوتے ہی ہزاروں لوگ آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور چند اہلِ صفا کو آپ نے خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: "میری قبر اس طرح تیار کرو کہ اس کے اندر نماز بھی پڑھی جا سکے۔ جب تیار ہو گئی تو کاغذ، قلم اور دوات لے کر قبر کے اندر چلے گئے۔ ایک دن رات وہاں رہ کر قبر کے حالات اور دوسرے مقاماتِ عالی جو وہاں رونما ہوئے سب لکھ لیے۔" (مرآۃ الاسرار، ص:۱۰۵۲) اس رسالے کا نام "بشارۃ المریدین" ہے۔ یہ کتاب "رسالہ قبریہ" کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے، اس کے بعد آپ نے فرمایا تھا۔

"جو شخص خلوص دل کے ساتھ میری قبر پر آئے گا ان شاء اللہ خالی نہیں جائے گا۔ اور اس مقام پر ولایت ظاہری و باطنی کے عزل و نصب کے لیے اکثر رجال اللہ کا مجمع رہے گا۔" (مرآۃ الاسرار، ص:۱۰۵۶)

اس لیے کسی عارف شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ہر کہ آمد بر درت امیدوار　　　　بر نگردد چوں نیابد مدعا

آخری وقت میں مختلف درجات کے بے شمار اولیاے کرام اور اہلِ عزیمت و استقامت آپ کی بارگاہ میں تشریف لائے، آپ نے سب کے ساتھ اپنی شانِ کریمانہ کا معاملہ فرمایا، مشاہدۂ حق فرماتے ہوئے مخدوم عالم، قطب الاقطاب حضرت سید مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی قدس سرہ العزیز نے اپنی جان جانِ آفریں کے حوالے کر دی۔ وصالِ مبارک کی تاریخ ۲۸/محرم الحرام ۸۰۸ھ ہے، اس وقت آپ کی عمر شریف ایک سو چھ سال یا ایک سو دس سال تھی۔ ان کے مزارِ اقدس پر بے پناہ فیوض و برکات جاری رہتے ہیں اور ان شاء اللہ جاری رہیں گے۔

اور اب عرس مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی ۲۵/محرم الحرام ۱۴۳۹ھ/۱۶/اکتوبر ۲۰۱۷ء: اس سچائی سے تو زمانہ واقف ہے کہ مبارک پور کی سرزمین پر مدرسہ اشرفیہ، دار العلوم اشرفیہ اور اب جامعہ اشرفیہ میں یہ نسبت حضرت سید مخدوم اشرف کے مبارک نام کی ہے۔ جلالۃ العلم حافظِ ملت حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی نے اجمیر مقدس میں اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ حضرت سید علی حسین اشرفی جیلانی کے مقدس دامن سے وابستہ ہو کر نسبت "اشرف" سے شاد کام ہو گئے اور زندگی بھر اس پر نازاں رہے۔ یہ سیہ کار مبارک حسین مصباحی بھی اولیاے کرام

کا غلام اور کچھوچھہ مقدسہ کا ادنیٰ فقیر ہے۔ ہمیں بھی ان اللہ والوں کے قدموں کی دھول مل جائے تو سرکارِ دوعالم ﷺ کا قرب نصیب ہو جائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ہم ۱۹۸۵ء میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بحیثیت طالب علم داخل ہوئے، اس کے بعد سے مسلسل اس دربار کی خاک چھان رہے ہیں اور ان عارفان باللہ کا صدقہ لینے کے لیے لائن میں کھڑے رہتے ہیں۔

حضرت مخدوم کے سجادہ نشینوں سے بھی گہری وابستگی رہتی ہے، اس وقت ہم ذکر کریں گے انوار المشائخ حضرت سید شاہ انوار اشرف معروف بہ مثنیٰ میاں اشرفی جیلانی شہیدِ مدینہ قدس سرہ العزیز کا۔ حضرت اپنے دو صاحب زادگان کو لے کر عمرہ شریف کرنے کے لیے تشریف لے گئے تھے، جب آپ کی گاڑی حرمِ پاک مصطفیٰ ﷺ میں داخل ہوئی، ایک معمولی سا ایکسیڈنٹ ہوا اور آپ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۲۴ھ کو وہیں شہید ہو گئے۔ اس سے ایک برس قبل آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے تھے، ایک شب قیام فرمایا تھا۔ نمازِ عشا کے بعد استقبالیہ پروگرام عزیز المساجد میں ہوا تھا، جب کہ حضرت سے ہمیں شرفِ نیاز آپ کی شہادتِ عظمیٰ سے لگ بھگ دس سال قبل حاصل ہو چکا تھا اور آنے جانے اور ملاقاتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا تھا۔ آپ سے تعلق پیدا کرانے میں آپ کے بھانجے، ہمارے ہم سبق بزرگ پیرِ طریقت حضرت مولانا سید شاہ محمد اشرف چشتی نقش بندی دامت برکاتہم العالیہ ہیں۔ اس وقت ہمارے یہ بزرگ ممبئ عظمیٰ کے مقبول ترین مرشد گرامی ہیں اور باوٗلا مسجد میں بلند پایہ خطیب و امام ہیں۔ آپ دراصل سریا شریف ضلع اعظم گڑھ کے باشندے ہیں۔ سریا کی خانقاہ تو بہت قدیم ہے، آپ نے کچھوچھہ مقدمہ میں بھی مین روڈ پر خانقاہ بنائی ہے۔ آپ کی سربراہی میں مہاراشٹر کے مختلف علاقوں میں کامیاب درس گاہیں چل رہی ہیں اور کچھوچھہ شریف میں بھی ایک اہم درس گاہ جاری ہے۔ حضرت سید مثنیٰ انور میاں شہیدِ مدینہ خانقاہ مخدوم اشرف کچھوچھہ مقدسہ کے پہلے عرس یعنی ۲۵ر محرم الحرام کے سجادہ نشیں تھے، ان کی شہادت کے بعد ان کے لختِ جگر اپنے والدِ گرامی کے علوم و اخلاق کے سچے وارث، عالمِ باعمل، حضرت علامہ سید شاہ معین الدین اشرف اشرفی جیلانی (حضور معین میاں) دام ظلہ العالی ہیں۔ آپ ابھی نوجوان ہیں، مگر جہاں تک ہمارا خیال ہے ممبئی کی سرزمین پر ایک کامیاب ترین رہنما اور مقبول ترین مرشدِ گرامی ہیں۔ علم و عمل کے ساتھ تواضع و انکساری، بلند اخلاقی اور دور اندیشی میں بھی بہت بلند ہیں۔ اصلاحِ معاشرہ میں بھی مسلسل مصروف رہتے ہیں، مدارس و مساجد کے مسائل پر بھی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ ان سب کے باوجود اہلِ سیاست اور اربابِ صحافت پر بھی بڑے اثرات رکھتے ہیں، مہاراشٹر کے وزیرِ اعلیٰ سے بھی ان کے حیرت انگیز تعلقات ہیں۔

ہم دو تین بار حضرت شہیدِ مدینہ علیہ الرحمہ کی حیات میں بھی ۲۵ر محرم الحرام کو عرس مخدوم اشرف میں حاضر ہوئے۔ حضرت اپنی سیادت و مشیخیت کے منصب سے خوب نوازتے تھے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے جانشین حضور معین میاں دامت برکاتہم العالیہ نے ہمیشہ کے لیے ہمیں مدعو فرما دیا ہے۔ یہ حضور مخدوم اشرف کا فیضان ہے کہ اپنے سجادہ نشیں کو ہمارے جیسے غریبوں پر مہربان فرما دیا ہے۔ حضرت ممبئی سے لے کر کچھوچھہ مقدسہ تک بے پناہ نوازتے ہیں۔ آپ باضابطہ ۲۵ر محرم الحرام کے سجادہ نشیں ہیں، اپنی حیثیت سے اس عظیم روحانی خانقاہ کے اہتمام فرمانے کی کوشش فرماتے ہیں۔ آپ کے حقیقی چچا جان عظیم دانش ور اور خاندانی روحانیت کے حامل ایڈوکیٹ حضرت سید شاہ نظام اشرف دام ظلہ العالی ہیں۔ ماشاء اللہ موجودہ حالات پر بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ حضور معین میاں کے تینوں برادران بھی حقیر مبارک حسین مصباحی سے بے پناہ محبت رکھتے ہیں۔ تصوف و روحانیت اور موجودہ سیاست میں طاق ہیں اور اپنے اپنے نقطۂ نظر سے اپنے اپنے میدان میں اپنی مثال آپ ہیں۔ خاص بات یہ ہے کہ سب باہمی اتحاد کے ساتھ ممبئِ عظمیٰ میں زندگی گزارتے ہیں اور اپنے خانوادے کے مریدین و متوسلین کی سرپرستی فرماتے ہیں۔

مخدوم اشرف قدس سرہ کا پہلے دن کا عرس باضابطہ محفلِ میلاد النبی ﷺ سے شروع ہوا، یہ روحانی پروگرام حضور مخدوم اشرف کے آستانے سے باہر مین گیٹ کے چبوترے پر منعقد ہوتا ہے۔ ہم بھی ایک گدائے بے نوا کی حیثیت سے بھیک مانگنے کے لیے پہنچتے رہتے ہیں۔ حضرت سجادہ نشیں کے حکم کے مطابق ادب و احترام کے ساتھ کچھ عرض کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس بار ۲۵ر محرم الحرام ۱۴۳۹ھ کو بھی ہم نے درج ذیل چند باتیں عرض کیں:

(۱) حضرت سیدنا مخدوم العالم قطب الاقطاب ہم سب کے اور پوری دنیا کے مرجع ہیں، وہ داتا ہیں اور ہم بھکاری ہیں۔ ہم لوگوں نے یہاں حاضری دے کر کسی پر احسان نہیں کیا ہے، یہ ان اہلِ بیتِ اطہار کا کرم ہے کہ ہم جیسے گداؤں کو اپنی دہلیز پر بیٹھنے کا موقع عطا فرمایا۔ ہم بھکاری ہیں،

ہمارے مخدوم داتا ہیں۔ ارشادِ رسول ﷺ ہے ــــ "انما انا قاسم واللہ یعطی" ــــ میں بانٹتا بھی ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ اس وقت اسٹیج پر حضور صاحبِ سجادہ اور حضرت سید نظام اشرف میاں اور دیگر سادات کرام اور علما و مشائخ موجود تھے۔

(۲) دوسری بات ہم نے عرض کی کہ سابق سجادہ نشیں حضور "شہیدِ مدینہ منورہ" کو "شہیدِ راہ مدینہ" کہا جاتا ہے، حالاں کہ آپ نے جامِ شہادت اپنے نانا جان حضور ﷺ کے حرمِ پاک میں نوش فرمایا تھا۔ اس لیے ہماری گذارش ہے کہ انھیں "شہیدِ راہِ مدینہ" نہ کہہ کر "شہیدِ مدینہ" کہا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ اس بات کو حضور صاحبِ سجادہ اور دیگر بزرگوں نے بے پناہ پسند فرمایا۔

(۳) تیسری بات ہم نے محرم الحرام اور حضور مخدوم اشرف کے خونی رشتے کی مناسبت سے شہدائے کربلا اور شہیدِ اعظم حضرت امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلق سے عرض کی، کرب و بلا کے چند خونی مناظر پیش کیے، اسی مناسبت سے فلسطین، عراق، یمن، شام، افغانستان اور میانمار کے مظلوم روہنگیا مسلمانوں کے حوالے سے بھی کچھ معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔

دیگر علمائے کرام کے بیانات ہوئے، نعت و منقبت پیش کرنے والوں نے بھی عقیدتوں کا خراج پیش کیا۔ حسبِ سابق حضرت صاحبِ سجادہ کی سرپرستی میں بسکھاری شریف میں چلنے والے ادارے کے دس حفاظ کی دستار بندی کی رسم بھی ادا کی گئی۔ آخر میں صلاۃ و سلام ہوا اور سب کے بعد حضور صاحبِ سجادہ کی تفصیلی رقت انگیز دعا ہوئی۔ خدا نے چاہا تو آپ کی دعائیں رسولِ اعظم ﷺ، صحابۂ کرام، اولیائے عظام اور حضور سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طفیل مقبول اور ضرور مقبول ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ حضور مخدوم اشرف قدس سرہ کا فیض اسی طرح سارے عالم پر اور ہم بھکاریوں پر مزید جاری رہے۔ آمین۔ بجاہ حبیبہ سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

فخرِ ملت حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی علیہ الرحمہ کا سانحۂ ارتحال

۶/ صفر ۱۴۳۹ھ / ۲۷/ اکتوبر ۲۰۱۷ء، فقیہ اعظم ہند شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کے عرس کی تاریخ ہے۔ ہم نمازِ جمعہ کے بعد عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے خادم کی حیثیت سے گھوسی جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے کہ اچانک ہمارے کرم فرما حضرت قاری نور الہدیٰ مصباحی کی کال آئی، ہم نے حسبِ سابق بڑی محبت سے ریسیو کیا، مگر افسوس صد افسوس انھوں نے یہ الم ناک خبر سنائی کہ ہمارے معزز و مکرم حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی ایک گھنٹہ قبل اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ سچی بات یہ ہے کہ ان کی اس الم ناک خبر پر یقین کرنے کے لیے ہم تیار نہیں تھے، ہم نے ایک سرد آہ بھر کر عرض کیا: قاری صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ارے کچھ معلوم ہے آپ کو، وہ تو اچھے خاصے تھے، اس پر انھوں نے فرمایا کہ حضرت! رات ہی ان سے ہماری آدھے گھنٹے تک موبائل سے گفتگو ہوئی ہے اور دن میں بھی متعدّد حضرات سے باتیں ہوئی ہیں، در اصل ان کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔ ہم نے یہ سن کر اسی وقت کلماتِ استرجاع دوہرائے اور ان کی مغفرت کی دعا کی اور اب بھی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ، بلند ترین مقام سے سرفراز فرمائے، آمین ــــ کچھ ہی دیر کے بعد حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی علیہ الرحمہ کے نمبر سے کال آئی، مگر نمازِ عصر کے وقت ہم نے موبائل سائیلنٹ کر دیا تھا، اس لیے توجہ نہیں ہوئی، گھوسی پہنچ کر ہم نے موبائل آن کیا۔ حضرت مولانا مرحوم کے موبائل سے کال تھی، ہم نے اسی وقت کال کی تو حضرت کے صاحب زادے موبائل پر ہم کلام ہوئے، ہم نے اپنے عزیز رفیق اور ان کے والد مرحوم کی اندوہ ناک خبر سے باخبر ہونے سے انھیں مطلع کیا، ہم نے فخرِ ملت کے لیے اظہارِ غم کرتے ہوئے دعائے مغفرت کی، ہم نے ان سے نمازِ جنازہ کا وقت معلوم کیا تو انھوں نے بتایا کہ ابھی دس بجے دن کا پروگرام ہے مگر وقت بڑھ بھی سکتا ہے، خیر ہم نے انھیں صبر و شکر کی تلقین کرتے ہوئے انتہائی غم کے ساتھ موبائل رکھ دیا۔

حضرت فخرِ ملت علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۱۵/ اپریل ۱۹۷۱ء میں ہوئی، متعدّد اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ اشرفیہ مبارک پور داخل ہوئے، حصولِ علم کی جد و جہد کی وجہ سے اساتذہ کی نگاہ میں مقبول تھے، اپنے اکابر اور اساتذہ کی بارگاہ میں ہمیشہ مؤدب رہے، اہم باتیں بھی وہ ہنس ہنس کر اپنے اساتذہ سے منوا لیتے تھے، خوش مزاجی اور بذلہ سنجی ان کی طبیعت میں داخل تھی، ان کی تنقیدوں میں بھی اصلاح کا پہلو غالب ہوتا تھا۔ اسی لیے وہ طلبۂ اشرفیہ مبارک پور میں بھی ہر دل عزیز تھے۔ جامعہ اشرفیہ کے بانی جلالۃ العلم حضرت حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی سے تو ان کی عقیدت و محبت حد درجہ قابلِ رشک تھی۔ سرکار حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے فیوض و برکات بھی آپ پر خوب

سے خوب تر تھے، ۱۹۹۲ء میں آپ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے درجہ فضیلت میں سرفراز ہوئے۔ فراغت کے بعد سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک جامعہ اشرفیہ، حضور حافظ ملت اور سربراہ اعلیٰ حضرت عزیز ملت اور علمائے اہل سنت سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔

حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی اپنی آپ بیتی میں تحریر فرماتے ہیں:

”۱۹۹۲ء میں فراغت کے بعد دار العلوم امام احمد رضا رتناگیری میں دو سال درس و تدریس کا کام کیا، اسی سال میرے والد صاحب کا انتقال ہوا، نامساعد حالات کی بنیاد پر آزاد نگر، نوگڑھ، سدھارتھ نگر یوپی میں امامت کے پیشے سے منسلک ہوا۔ چوں کہ گھر بڑا تھا، میری بھی شادی نہیں ہوئی تھی، گھر میں کمانے والا اکیلا میں ہی تھا، ماں، دو بہنیں اور چار بھائیوں کا خرچہ میرے ذمہ تھا۔ سامنے کوئی پرسان حال نہیں تھا، اس لیے امامت کا تجربہ نہ ہونے کے باوجود یہ پیشہ کرنا پڑا۔

اس مسجد کی حالت: اس میں بیس برسوں تک دیوبندی امام رہا، مقتدی دیوبندی یا صلح کلی تھے، ایک تو میں مدرس محض، دوسرے انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے میرے لیے ناقابل برداشت بعض شرائط، لیکن میرے تقویٰ نے نہیں بلکہ مجبوری نے قبول کرایا۔ انتظامیہ کمیٹی کے چند شرائط ملاحظہ کیجیے:

(۱)- کسی مخصوص فرقہ کی حمایت یا مخالفت میں آپ تقریر نہیں کریں گے۔ (۲)- سب سے میل جول رکھیں گے۔ (۳)- مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی ”تفہیم القرآن“ کا درس دیا کریں گے۔

پہلے تو میں چکر میں آگیا، پھر بہت غور کیا اور ساری شرطیں میں نے مان لیں، یہ سوچ کر کہ ان شاء اللہ العظیم الرحمٰن الرحیم میں حکمت عملی سے ان کی فکر کا قبلہ درست کردوں گا۔ سارے مقتدی دیوبندی، امام سنی، میں حسب معمول تکبیر میں ”حی........“ پر کھڑا ہوا، میرے خلاف میٹنگ بلائی گئی جس میں غیر مقلد علما، وکلا اور کالج کے تعلیم یافتگان بھی تھے۔

اقامت میں شروع میں کھڑے نہ ہونے پر مجھ سے وجہ پوچھی گئی، میں نے جواباً کہا کہ: مسئلہ یہی ہے کہ: ”حی........“ پر کھڑا ہوا جائے، ویسے جو آپ لوگ کہیں مجھے منظور ہے۔ میرے جواب پر ایک صاحب کہنے لگے کہ ”نیا مولوی، نیا مسئلہ“

میں فتاویٰ عالم گیری کا حوالہ دیتے ہوئے وکیل کی طرف متوجہ ہوا اور میں نے کہا: وکیل صاحب یہ پرسنل لا میں داخل ہے، آپ جانتے ہوں گے، بتائیں، یہ کتاب کب کی ہے ؟؟؟

تو دیوبندی مکتب فکر کا ترجمان ہوتے ہوئے بھی انھوں نے حقیقت کو تسلیم کیا اور بتایا۔ خیر میں شروع میں کھڑا ہونے لگا، پھر اذان، لوٹے، جھاڑو، چٹائی، بچھانا ساری ذمہ داری میرے سر آگئی، گھر کی مجبوری کی وجہ سے آٹھ ٹیوشن کرنا، صبح مودودی کی تفسیر سنانا، جس میں فیض عام مئو یوپی کے فارغ مولوی صاحب میرے سامنے موجود رہتے۔

اس مولوی صاحب کو جاء الحق اور علامہ ارشد القادری کی کتابوں سے مدد لے کر بتاتا یہ یہ کہتے ہیں ماضی میں فلاں فلاں یہ یہ کہتے ہیں جو اہل اہل سنت کے خلاف ہوتے، یاد رکھیں اب تک سامعین دیوبندی ہی ہیں اور فجر کے وقت دور دور سے وہ حاضر ہوتے۔ الغرض بہت سارے معمولات اہل سنت جو مستحب تھے ان کی ضد کی وجہ سے چھوڑ دیے، پھر جب سنیوں نے سنا کہ سنی امام آگیا ہے تو اب سنی لوگ آنے لگے۔ ۹۶ء کی بات ہے ایک مہینہ میں نے چاول نہیں پایا تھا، ۱۰۰/ روپیہ رمضان المبارک میں میں نے ٹیوشن کے حاصل کیے [اس طرح بڑی مشکل سے ہم نے اپنا کام چلایا]، چوں کہ ماضی کا امام کسی الزام میں نکالا گیا تھا، اس لیے لوگ میری بھی ٹوہ میں لگے تھے، اس اعتبار سے بھی مجھے اپنے قدم رکھنا تھا۔ خلاصہ: نرمی برتی، صبر کیا، سلام نہیں پڑھایا، اذان سے قبل درود نہیں پڑھا اور درود پڑھنے میں کلمات ندائیہ سے بھی احتراز کیا۔

مگر الحمد للہ! جب رفتہ رفتہ اہل سنت کی تعداد بڑھ گئی اور فقیر کی دعوت و تبلیغ سے دوسرے مکاتب فکر کے لوگ فقیر سے جڑنے لگے۔ آج الحمد للہ و الصلوٰۃ علی رسول اللہ! اس مسجد میں مسلک حق کا غلبہ ہے اور تمام معمولات اہل سنت ہو رہے ہیں۔

الحاصل اگر میں ان کی شرطوں پر بھاگ آیا ہوتا تو اس شہر اور محلے کے مسلمان اہل سنت سے نکل گئے ہوتے۔ میرے اس اقدام اور طریقۂ دعوت سے آپ کیا سبق نکالتے ہیں ؟؟؟ آپ جانیں۔“ (از: نور الہدیٰ مصباحی، دھرم سنگھوا، سنت کبیر نگر)

حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی نے اپنی حیات وخدمات کا ایک گوشہ بقلم خود رقم فرمایا تھا، جسے ہم نے موبائل سے لے کر من وعن پیش کر دیا، اب نتیجہ آپ حضرات کو نکالنا ہے کہ ان کا یہ کام حکمت و دانش ہے یا صلح کلیت؟ ان کے اس عمل کے نتائج بھی اپنے قلم سے نوٹ فرمائے ہیں۔ خیر اس کے بعد آپ بفضلہ تعالیٰ دار العلوم احمدیہ معراج العلوم دھرم سنگھوا میں کامیاب استاذ منتخب ہوئے، طلبہ کو نہ صرف تعلیم کے اوقات میں پڑھاتے تھے بلکہ خارجی اوقات میں بھی تعلیم وتربیت پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔

تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور کے صوبائی رکن، مدارسِ عربیہ اتر پردیش ایسوسی ایشن کے ضلع صدر، مانوادھیکار آیوگ کے ضلع صدر، عربی ماہ نامہ "المشاہد" لکھنؤ کے مسؤل العلاقات تھے، انھیں کے ساتھ دیگر تحریکوں اور اداروں کے بھی ذمہ دار تھے۔ احوال ومسائل پر چھا جانے والے حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی علیہ الرحمۃ والرضوان بڑی خوبیوں کے حامل تھے۔ نیک سیرت، بلند اخلاق تھے، تعلقات بنانے، انھیں استوار رکھنے اور نبھانے کی بھرپور صلاحیت تھی، سچ پسندی اور حق گوئی ان کی ایک امتیازی خوبی تھی، عالم اسلام کے مسائل ہوں یا جماعتِ اہلِ سنت کے داخلی اور خارجی معاملات، سب پر نگاہ رکھتے تھے، بلکہ اہلِ سنت کے بہت سے مسائل کو سلجھانے کے لیے کوشاں رہتے تھے، ان کے روابط اکابر اہلِ سنت سے لے کر اپنے معاصرین تک سب سے تھے اور ہر ایک سے سامنے والے کے مقام ومرتبے کے لحاظ سے گفتگو فرماتے تھے۔ اگر کہیں سے خلافِ حق یا خلافِ اہلِ سنت بات دیکھتے تو سلیقے سے تنقید کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ ان کے وصال پر ملال سے صرف قرب وجوار نہیں بلکہ بیرون ملک بھی چند علمائے کرام نے گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا اور ان کے لیے دعاے مغفرت بھی کی۔

روز نامہ راشٹریہ سہارا گورکھ پور کے اہم نمائندہ حضرت قاری نور الہدیٰ مصباحی فرماتے ہیں:

"آپ میں اللہ تعالیٰ نے بڑی اہم اور نمایاں خوبیاں دی تھیں، ان میں ایک یہ کہ وہ دلوں کو جیتنے اور اپنا بنانے کا ہنر جانتے تھے، آپ کو دینی علم اور عصری شعور وآگہی کے علاوہ گہری اور وسیع ملی وسیاسی بصیرت سے بھی نوازا تھا، ان کی شخصیت میں ملت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔"

حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی کی نماز جنازہ دوسرے دن ۷/ صفر ۱۴۳۹ھ /۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۷ء کو نماز ظہر کے بعد ادا کی گئی۔ جنازہ میں جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے لے کر کثیر مدارس اہلِ سنت کے علمائے کرام اور طالبانِ علومِ نبویہ تھے اور عوامِ اہلِ سنت نے بھی بڑی تعداد میں شرکت فرمائی۔ نمازِ جنازہ میں ہزاروں کی تعداد میں علما اور طلبہ موجود تھے۔ ہر ایک چہرے پر غم کے آثار اور ہر ایک زباں پر ان کا ذکرِ خیر تھا۔ نمازِ جنازہ کی امامت صدر العلما حضرت علامہ شاہ محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے فرمائی اور انھیں بصد حسرت ویاس دار العلوم احمدیہ دھرم سنگھوا کے قریب قبرستان میں دفن کیا گیا۔ ہر طرف غم واندوہ کا عالم تھا، کثیر مدارس اہلِ سنت، مکاتب اور خانقاہوں میں آپ کے لیے قرآن خوانی کی گئی اور دل ودماغ کی مکمل یکسوئی کے ساتھ مغفرت کی دعائیں کی گئیں۔ آپ کے پس ماندگان میں والدہ ماجدہ، اہلیہ محترمہ، ۵/ فرزند اور ۲/ صاحب زادیاں ہیں۔ تمام بچے تعلیم یافتہ ہیں۔ بڑی بیٹی عالمہ فاضلہ ہیں۔ ایک فرزند درجۂ فضیلت میں زیرِ تعلیم ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ ان شاء اللہ اپنے والدِ ماجد کی خالی جگہ پر ان کی تقرری ہو جائے گی۔ مولانا مرحوم دراصل درجہ عالیہ میں باضابطہ گورنمنٹ سے استاذ تھے اور مقبول ترین باصلاحیت طالبانِ علومِ نبویہ کے مربی اور غم گسار تھے۔

حضرت قاری نور الہدیٰ مصباحی جو گورنمنٹ ادارے کے استاذ اور روز نامہ راشٹریہ سہارا گورکھ پور کے ذمہ دار ہیں، انھوں نے اپنے اخبار اور دیگر حضرات نے دوسرے اخبارات میں تفصیل سے خبریں شائع کی ہیں۔ اسا کی فہرست اتنی طویل ہے کہ ہم ان تمام کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولا تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں بلند ترین مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر وشکر کی توفیقِ رفیق سے سرفراز فرمائے، آمین۔

[**نوٹ**: ان شاء اللہ آئندہ ماہ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں فخرِ ملت حضرت مولانا نور الہدیٰ مصباحی علیہ الرحمہ کے تعلق سے ایک خصوصی گوشہ شائع کیا جائے گا، اربابِ قلم سے گذارش ہے کہ ان کی حیات وخدمات کے گوشوں پر وقیع مضامین تحریر فرمائیں اور اپنے اپنے تاثرات عطا فرمائیں یہ خصوصی شمارہ ان شاء اللہ فاتحۂ چہلم ۷/ دسمبر ۲۰۱۷ء کو منظرِ عام پر آجائے گا۔ [از: مبارک حسین مصباحی] ****

نعتیہ شاعری: افادیت و مقصدیت

ڈاکٹر بی محمد داؤد محسن

کلامِ الٰہی اور احادیث نبوی دو اہم ذرائع ہیں جن پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری ہے اور یہی حاصل زندگی اور باعث نجات بھی ہے۔ قرآنِ مجید کو اللہ رب العزت نے انسان کی ہدایت کے لیے حضور اکرم ﷺ کے توسط سے نازل فرمایا اور صاف الفاظ میں بتایا کہ۔ یا ایھا الذین اٰمنو اٰمنوا باللہ والکتٰب الذی نزل علیٰ رسولہٖ۔ (اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے ان رسول پر اتاری) دراصل قرآنِ کریم احکامِ خداوندی اور فرامینِ رب العزت کی عبارتوں کا ایک ذخیرہ اور سیرتِ رسول و اسوۂ حسنہ اور واقعات و حوادث کا ایک حسین اور دلکش گلدستہ ہے جس کے مضامین وعظ و نصیحت پر مبنی ہیں، جو ہدایاتِ انسانی کے لیے ایک نہایت موثر اور دلپذیر ذریعہ ہیں۔ دینِ اسلام کا صحیح تصور اور مفہوم اگر سمجھا جاسکتا ہے تو وہ قرآنِ مجید کو حضرت محمد ﷺ سے اور حضرت محمد ﷺ کو قرآنِ مجید سے ہی ممکن ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلاً وَّ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْدا۔ (اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لیے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ)۔ اس آیتِ کریمہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو رسول بناکر بھیجنے کی گواہی دے رہا ہے۔ جس سے آپ کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ اسی طرح قرانِ کریم میں جگہ جگہ پر اوصافِ محمد ﷺ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یٰسین، طٰہٰ، فرقان، مدثر، مزمّل جیسے معزز القاب و خطابات سے یاد فرمایا ہے۔ آپ کی تعریف و توصیف بیان کرتے ہوئے کہیں وما ارسلنٰکَ اِلاَّ رَحْمَۃَ اللّعٰلَمِیْنَ کہا تو کہیں وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلاَّ کَافَّۃَ لِلنَّاسِ اور کہیں وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (اور بے شک آپ کے اخلاق نہایت عالی ہیں) کہا گیا۔ اسی طرح وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکْ (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو) کہا گیا۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ سیدِ عالم حضور اکرم ﷺ نے اس آیت کے متعلق حضرتِ جبرئیل سے دریافت فرمایا۔ جواب میں جبرئیل امین نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔"

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ "اذان میں، تکبیر میں، تشہد میں منبروں پر، خطبوں میں اگر کوئی اللہ رب العزت کی عبادت کرے ہر بات میں اس کی تصدیق کرے اور حضرت رسول ﷺ کی رسالت کی گواہی نہ دے تو یہ سب بے کار ہے"۔

اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ تمام ذکر و اذکار میں کلمہ طیبہ کے بعد افضل الذکر درودِ پاک ہے جسے جزوِ عبادت قرار دیا گیا ہے۔ کلامِ پاک میں لفظ 'عشق' کا استعمال نہیں ہوا البتہ 'محبت' کا استعمال ضرور ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ محبت افضل ترین شئے کا نام ہے۔ دراصل یہی صفتِ کمالِ انسانی بھی ہے اور وصف خداوندی بھی۔ یہ وہ پاک وصف خاص ہے جو خود خدائے بزرگ و برتر کو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات بابرکت سے ہے۔ چنانچہ دیکھا جائے تو محبت کی ابتدا خود اللہ و رسول ﷺ سے ہوتی ہے۔ اسی محبت کا نتیجہ ہے کہ آپ کا اسم پاک جب بھی آئے تو دل و زبان سے بے اختیار درود کے الفاظ خود بخود جاری ہوجاتے ہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے قرانِ پاک میں کئی مقامات پر رحمت اللعالمین کے لقب سے نوازا اور آپ پر درود بھی بھیجا اور آپ کی نعت و ثنا اور تعریف و توصیف بھی بیان کی۔ حضرت موسیٰ کو کلیم کہا اور حضور اکرم کو حبیب کہا۔ کلیم یعنی جو اللہ تعالیٰ سے کلام یا محبت کرے حبیب یعنی وہ جو اللہ تعالیٰ جس سے محبت کرے۔ قرآن کریم کی کئی آیات سے یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم کی نعت اور مدحت و ثنا بیان کرنے والا خود خدائے بزرگ و برتر ہے۔ توریت و انجیل میں بھی آپ کا ذکر کیا۔ حضرتِ آدم سے لے کر حضرت عیسیٰ تک کے بیشتر انبیا و مرسلین نے آپ کے تقدس اور عظمت کا اعتراف کیا، بشارت دی اور آپ کی امّت میں ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ طلوعِ اسلام کے فوری بعد آپ کی تعریف اور توصیف کے وصف کو صحابۂ کرام نے اپنایا اور اس کو مقصدِ حیات سمجھا۔ حضرت بلال نے دیدِ رسول کو عبادت تصور کیا، حضرتِ ابو بکر صدیق نے اپنے جان و مال کو آپ کی راہ میں لٹانے کو ایمان سمجھا، محبتِ رسول ہی کے نتیجہ میں حضرتِ عمر فاروق نے ایران پر فتح حاصل کی اور عدل و انصاف قائم کیا، محبتِ رسول ہی کے نتیجہ میں حضرتِ علی نے درِ خیبر اکھاڑا، بدر و حنین کے غزوات بھی محبتِ رسول ہی کا نتیجہ ہیں حضرتِ اویس قرنی نے اپنے دندانِ مبارک بیک وقت نکال کر محبِ رسول ہونے کا ثبوت دیا اور

پرنسپل ایس. کے. اے. ایچ ملّت کالج، داونگرے۔ (کرناٹک۔انڈیا) drmohameddavood@gmail.com

کئی عاشقان نبی نے ان گنت درود شریف لکھ کر اپنی محبت کا ثبوت پیش کیا ۔لیکن قربان جائیے اس درود پر جسے ہم درود تاج کے نام سے جانتے ہیں اور پوری عقیدت اور محبت کے ساتھ پڑھتے ہیں ۔جس میں حضور اکرم کی سیرت اور عظمت کا اتنا دلکش بیان ہوا ہے جسے بار بار پڑھنے میں لطف اور مزہ آتا ہے۔ ہر ایک مومن اسے ثواب کی نیت سے پڑھتا ہے اور کافی دیر تک قلبی سکون اور اطمینان پاتا ہے اور اپنے آپ خوشی محسوس کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جن کو لکھنے کی سعادت بخشی انہوں نے سیرت کے خوشگوار پہلوؤں، کمالات و معجزات اور دیگر واقعات رسول کو اپنی تحریروں کا جزو بنایا اور اسے معراجِ فن تصور کیا۔ حضرتِ سیدنا حسّان بن ثابت کا حضور اکرم کے دربار کا نعت گو شاعر ہونا اس بات کی روشن دلیل ہے بحیثیتِ شاعر جو بلند مرتبہ حسّان ابن ثابت کو نصیب ہوا وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوا۔کیونکہ نبی کریم ﷺ خود حسّان ابن ثابت کو مسجدِ نبوی کے منبر پر بٹھا کر نعت سنانے کی فرمائش کرتے اور صحابہ کے ساتھ بیٹھ کر حضرت سیّدنا حسّان کی زبانی نعتوں کا لطف اٹھاتے حضرتِ سیدنا حسّان کا اندازِ بیان دیکھئے۔

واحسن منك لم ترقط عيني
وا جمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرا من كل عيب
كانك قد خلقت كما تشاء

”میری آنکھوں نے کبھی آپ سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، عورتوں نے آپ سے زیادہ کوئی صاحب جمال نہیں جنا۔آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا۔جیسے آپ اپنی مرضی کے مطابق پیدا کئے گئے ہوں۔“

یہ بات مشہور ہے کہ سب سے پہلے نعتیہ اشعار حضرتِ ابوطالب نے کہے جو مشرف بہ اسلام نہ ہونے کے باوجود نبی کریم کی ذات سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتے تھے اور آپ کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے تھے۔پہلی وحی کے نزول کی خبر سننے کے بعد حضرتِ خدیجہ نے سب سے پہلے نثر میں نعتیہ الفاظ بیان کیے۔آپ کے حسنِ اخلاق سے کفّار و مشرکین بھی متاثر تھے اور بعض کفّار عقیدت کی ڈور میں کھینچے چلے آتے تھے۔اعشیٰ ایک کافر شاعر تھا مگر آپ سے بے حد متاثر تھا اس نے ایک مرتبہ نعت لکھ کر بارگاہِ نبوی میں پیش کرنے کی کوشش کی، مگر کفّارِ مکّہ نے اسے روک لیا۔

ہجرت کے موقع پر غارِ ثور سے نکلنے کے بعد پہلے دن حضور اکرم اپنے غارِ یار سیّدنا ابوبکر صدیق کے ہمراہ امّ معبد کے یہاں پہنچتے ہیں ۔جو ایک معمر اور مہمان نواز خاتون تھی۔نبی کریم نے کھانے کے لیے کچھ پوچھا اس وقت اس کے یہاں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔آپ نے ایک گوشہ میں کمزور اور لاغر بکری دیکھی جس کے تھن سوکھ چکے تھے آپ نے اس سے دودھ دوہنے کی اجازت طلب کی۔امّ معبد نے کہا یہ تو ایک لاغر بکری ہے اور اس سے دودھ آنا محال ہے ۔آپ ﷺ نے ایک برتن طلب کیا اور دودھ دوہنا شروع کیا اتنا دودھ آیا کہ اس سے سب سیراب ہوئے اس کے بعد آپ کا قافلہ وہاں سے رخصت ہوا۔نبی کریم کی رخصتی کے بعد جب امّ معبد کا شوہر آیا تو اسے ایک عجیب خوشبو نے استعجاب میں ڈال دیا کہ یہاں ضرور کوئی آیا تھا اس نے اپنی بیوی سے دریافت کیا ام معبد نے سارا ماجرا اپنے شوہر کو سنایا۔جس میں حضور اکرم کی شبیہ، شکل و شمائل، قد و قامت کردار و گفتار اور سیرت و صورت کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ حضور اکرم کی اتنی اچھی تصویر ہمیں سیرت کی بڑی بڑی کتابوں میں بھی ملنا دشوار ہے جو ایک کم علم اور ان پڑھ عورت نے پیش کی ہے۔امّ معبد کا انداز بیان ملاحظہ فرمائیے۔جسے نثری نعت کا بہترین اور اعلیٰ ترین نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو آپ ﷺ کی تعریف و توصیف اور ثنا خوانی کی بہترین مثال ہے۔

ترجمہ:”میں نے ایک انسان دیکھا، پاکیزہ رو، کشادہ چہرہ، پسندیدہ خو، ہموار شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ و فراخ، بال لمبے اور گھنے، آواز میں مردانگی و شیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدہ، سرگیں آنکھیں، باریک و پیوستہ ابرو، سیاہ گھنگریالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پروقار معلوم ہوتا، جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی جانب کھنچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئینہ بات میٹھی کہ جیسے موتیوں کی لڑی، قد نہ ایسا پست کہ کم تر نظر آئے، نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخ گل ہے، جو شاخوں کے درمیان ہو، زپندہ نظر، والا قدر، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت ان کے گرد و پیش رہتے ہیں، جب وہ کچھ کہتے ہیں تو یہ خاموش سنتے ہیں، جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لیے جھپٹتے ہیں۔ مخدوم و مطاع، نہ کوتاہ سخن اور نہ فضول گو۔۔۔“

اس زمانے سے لے کر آج تک باقاعدہ طور پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد حضور کی شان و شوکت اور عظمت بیان کرنا امّتِ مسلمہ کا اولین فریضہ ہے اور اسے زمزمۂ روح تصور کیا جاتا ہے۔اردو کے کم و بیش تمام شعراء دیگر اصنافِ سخن پر نعت کو فوقیت دیتے ہیں کیونکہ سیرت النبی لکھنے اور نعت کہنے سے قلب کو ایمان اور روح کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

در حقیقت شاعر وہی ہے جس کا تصور و تخیل بلند اور عظیم ہو اور عظیم شاعری وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی عظمت سے متعلق ہو۔خالص اس نوعیت کی شاعری کا شرف انہیں اصحاب فن کو نصیب ہوتا ہے جن کا دل عشقِ مصطفیٰ کے لیے دھڑکتا ہے اور جن کا قلم عظمتِ نبی رقم کرنے کے

لیے بے قرار رہتا ہے۔ تب کہیں جاکر نعت کا حق ادا ہو سکتا ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہ صلوا علیہ و آلہ

نعت کہنے کے لیے ایمان شرط ہے اور عشق نبی نہایت ضروری ہے۔ ساتھ ہی خلوص و جذبۂ عقیدت بھی درکار ہے۔ اس کے علاوہ پاک ذہن اور پاک طینت ضروری ہے نعت کہنے کے لیے اپنے قلب کو منوّر اور روشن کرنا ہی نہیں بلکہ عشق رسول میں تپا کر کندن اور اپنے دل کو مدینہ بنانا پڑتا ہے تب کہیں جاکر نعت ہو سکتی ہے اور حضور کا فیض حاصل ہو سکتا ہے۔ نعت میں حضور اکرم کی شان اور مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے آپ کے تقدس کو برقرار رکھنا ہے۔ نعت کا فن آسان نہیں ہے یہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز پل صراط سے گذرنے کی مانند ہے۔ جہاں ایک چھوٹی سی لغزش، خطا اور ایک ہلکا سا لفظ جو مقامِ نبوت اور شانِ رسالت کے خلاف یا منافی ہو یا کم ہو نعت گو کو گستاخانِ رسول اور منافقت کی صف میں کھڑا کردے گا۔ علاوہ ازیں ذرا سی مبالغہ آرائی بھی نعت گو کو کفرو شرک کا مرتکب بنادے گی۔ جبکہ حمدیہ شاعری میں ہزار مبالغہ آرائی کی گنجائش ممکن ہے کیونکہ حمدیہ شاعری میں مبالغہ بھی عین حقیقت بن جاتا ہے۔ مگر نعت میں تعریف و توصیفِ محمد کے لیے مراتب اور حدود مقرر ہیں۔ ان حدود اور مراتب سے تجاوز کرنا گویا ایمان سے خارج ہونا اور شرک وکفر کا مرتکب ہونا ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ:

باخدا دیوانہ باشد، بامحمد ہوشیار

اور حضور کے مرتبہ کے لحاظ سے یہ بھی ضروری قرار دیا گیا کہ

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

نعتیہ شاعری کا شمار عقائد پر مبنی شاعری میں ہوتا ہے۔ جس طرح حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف سے عبارت ہے، اسی طرح منقبت بزرگانِ دین سے اظہارِ عقیدت کا نام ہے اور نعت مخصوص ہے حضور ﷺ کی ذات سے۔ جہاں تک عقیدہ کا سوال ہے اس میں جذبہ ولگاؤ بھی ہوتا ہے اور ایک قسم کا ڈر اور خوف کا خدشہ بھی رہتا ہے اور اس میں اپنی فلاح اور نجات کا پہلو بھی پوشیدہ ہوتا ہے۔ مذہبِ اسلام میں نجات کا تصور آتے ہی شافع محشر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف ہمارے قلب و ذہن خود بہ خود مائل ہو جاتے ہیں اور لب پر درود کا نذرانہ ہوتا ہے، ذہن گنبدِ خضرا کی جانب اور دل میں ایک امنگ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جسے جذبۂ عقیدت سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی عقیدت کا نتیجہ ہے کہ ہماری نعتیہ شاعری میں مبالغہ عام ہو گیا ہے۔ جہاں عشق کم اور عقیدہ کی بنیاد پر محبت کا پہلو زیادہ موجود ہے۔ نعت گوئی میں محبوب کے سامنے محب کی التجا اس کے دل کی آئینہ دار ہوتی ہے اور ہر ایک مسلمان نبی کریم سے محبت رکھتا ہے۔

ایمان کی شرط بھی عشقِ رسول کی بنیاد پر ہی ہے۔ اور ایمان کا تقاضا بھی اللہ پر، رسولوں پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، آخرت پر مکمل یقین رکھنا ہی ہے۔

دراصل نعت بھی درود ہی کی ایک شکل ہے جس میں عشق و عقیدت اور اطاعت و تسلیم کا رجحان شعری روپ اختیار کرلیتا ہے۔ نعتیہ شاعری رسمی شاعری نہیں ہے۔ یہاں ذاتی جذبات و تخیلات کا ہرگز عمل دخل نہیں ہوتا۔ نعت کے لیے فنّی مہارت و لیاقت اور قدرتِ کلام سے کہیں زیادہ مقامِ نبوت کا صحیح عرفان، عظمتِ نبوت کا سچّا وجدان، حضور اکرم کی شان و شوکت اور عظمت، سیرت کا بھرپور علم، توحید اور رسالت کے حدود کا لحاظ اور آپ سے سچّا عشق اور سچّی عقیدت نہایت ضروری ہے۔ مگر یہاں بھی مقام اور مراتبِ الوہیت اور نبوت کا لحاظ رکھنا از حد ضروری ہے۔ عظمتِ ربوبیت اور عظمتِ نبوت سے واقفیت لازمی ہے۔ نعت کے لیے خلوص وعقیدت کے ساتھ ساتھ عشق و اطاعت کا ہونا شرط ہے۔ عشق اور عقیدت کے حدود بھی مقرر اور متعیّن ہیں۔ لیکن عشق کی انتہا اور عشق کا حاصل بھی آپ ہی کی ذات بابرکت ہے۔

عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

غیر مسلم شعرا کے یہاں بھی نعت میں عشق پایا جاتا ہے۔ لیکن یہاں سوال ایمان کا اٹھتا ہے۔ ہمارے ادب میں غیر مسلم شعرا نے بھی نعت رسول لکھ کر عشق و عقیدت کا ثبوت دیا ہے ایک غیر مسلم شاعر کالکا پرشاد کی نعت میں پایا جانے والا عشق اور عظمتِ مصطفیٰ کا انداز دیکھیے۔

تھا مشرق ومغرب میں بہت درہم و دینار
لے کر کے زمین تا بہ فلک مال کا انبار
دریا سبھی موتی بنت، پارس بنے کوہسار
ایک سمت کھڑے ہوں جو مرے سیدِ ابرار
پوچھے جو کوئی کالکا پرشاد سے کیا لے
نعلین کفِ پائے نبی سر پہ اٹھالے

یہ عشق، یہ جذبہ، یہ خلوص اور یہ محبت ایک غیر مسلم شاعر کے یہاں ملتا ہے جو ایمان پر دلالت کرتا ہے جو ایک مومن کے لیے ضروری ہے۔ یہ جذبہ نعت کے لیے شرط اول ہے جس سے نعت کی عظمت دوبالا ہو جائے گی ورنہ زبانی جمع خرچ اور زبانی ہمدردی اور دکھاوے کی عقیدت ہوگی۔ ☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

مسجد کی وقف شدہ زمین کے تبادلے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرعِ متین مسائل ذیل کی بابت:
ہم لوگوں کا علاقہ سیلابی ہے، ہر سال گاؤں کے چہار اطراف میں سیلاب آجاتا ہے اور گاؤں سے باہر دو بڑا قبرستان بہت قدیمی ہے جن میں سیلاب ہر سال آجاتا ہے، سیلاب کے موسم میں میت کی تدفین کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے آج سے تقریباً ۳۵/۴۰ر سال قبل گاؤں کے ایک حساس اور صاحبِ خیر نے جو مسجد کی بے لوث خدمات پر مامور تھے کہا کہ آبادی کے اندر مسجد کی جو بہت قدیم وقفی زمین ہے، اس کا تبادلہ اپنی زمین سے کرتے ہوئے اپنی زمین جو گاؤں سے باہر ہے مسجد کو دیتا ہوں اور آبادی کے اندر جو مسجد کی وقفی زمین ہے (اور غیر آبی ہے) اسے سیلابی موسم میں میت کے دفن کے لیے دے دیتا ہوں۔ چناں چہ اسی حساس اور صاحبِ خیر شخص نے نیک نیتی سے اپنے اس ارادے کو عملی شکل دیتے ہوئے وقفی زمین کا تبادلہ اپنی زمین سے کرکے اپنی زمین مسجد کو دے دیا اور مسجد کی وقفی زمین ضرورتاً میت کی تدفین کے لیے دے دیا، حالاں کہ یہ وقفی زمین بنجر اور بالکل بیکار زمین نہیں تھی، اس کے بازو والی زمین میں آج تک کاشت ہوتی ہے۔ نیز شرائطِ وقف بھی دربارۂ تبادلہ خاموش ہیں، کچھ پتہ کسی شرط کا نہیں چلتا۔ جب سے تبادلہ ہوا اسی وقت سے مسجد کی اس وقفی زمین میں میت کی تدفین بھی عمل میں آنے لگی، حتیٰ کہ اب تھوڑی ہی جگہ دفن سے خالی بچ گئی ہے۔ اِدھر کچھ مہینے قبل یہ حقیقت جب لوگوں کو معلوم ہوئی کہ یہ مسجد کی وقفی زمین ہے تو علماے کرام سے استفسار کیا گیا کہ آیا واقعی زمین میں میت کی تدفین درست ہے یا نہیں؟ تو علماے کرام نے فرمایا کہ مسجد کی وقفی زمین میں میت کو دفن کرنا جائز نہیں، تو اسی وقت سے اس زمین میں دفن کرنا بند کر دیا گیا، اس تحریر کی روشنی میں بتایا جائے کہ:
(۱)- مسجد کی وقفی زمین کا جو تبادلہ ایک ضرورت کے تحت ہوا وہ جائز ہوا یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہوا تو اب کیا کیا جائے؟ آیا وہ وقفی زمین اب مسجد کی ملکیت ہوگی یا مسجد کی ملکیت سے ہٹ کر قبرستان کہلائے گی اور بہر دو صورت اب اس میں میت دفن کر سکتے ہیں یا نہیں؟
(۲)- اگر یہ زمین اب بھی مسجد ہی کی ملکیت ہے تو جو سیکڑوں مردے اس میں دفن ہو چکے ہیں، ان کا کیا کیا جائے؟
(۳)- وقفی زمین کا جو تبادلہ ہوا اگر وہ ناجائز ہوا تو مسجد کی دی گئی زمین کیا دوبارہ اپنی ملکیت میں تبادلہ کرنے والا واپس لے لے گا، یا مسجد ہی کے نام وہ زمین رہنے دی جائے گی؟
واضح رہے کہ یہ تبادلہ عوامی رائے سے نہیں ہوا تھا بلکہ ایک دو حساس اور اہلِ خیر حضرات کے اتفاق سے ہوا تھا اور وہ بھی ایک اہم ضرورت کے تحت ہوا تھا۔
حضور والا سے التجا ہے کہ تمام شقوں پر روشنی ڈالتے ہوئے احکامِ شرعیہ سے آگاہ فرما کر ہم لوگوں کو ممنون فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب

(۱)- یہ تبادلہ قطعاً حرام و گناہ ہوا، مسجد کی وقفی زمین میں مردے دفن کرنا سخت ناجائز و گناہ ہے، جس شخص نے ایسا کیا وہ سخت گناہ گار، حق اللہ میں گرفتار و مستحقِ عذابِ نار ہے، یہی حکم ان تمام لوگوں کا ہے جنھوں نے دانستہ مسجد میں اپنے یا دوسروں کے مردے دفن کیے کہ دار الاسلام میں حکمِ شرعی سے لاعلمی عذر نہیں اور ان سب کے گناہوں کے برابر گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے اس رسمِ بد کی بنا ڈالی ہو، اس کے ذمہ خود اس کی معصیت کا بھی گناہ ہوگا، ساتھ ہی دوسروں کے معاصی کا گناہ بھی اس کے سر ہوگا، بغیر اس کے کہ ان معصیت کاروں کے گناہ میں کوئی کمی ہو، جیسا کہ احادیثِ نبویہ میں اس کی صراحت ہے۔
اگر تبادلہ کرنے والا زندہ ہو تو فوراً اس گناہ سے مسلمانوں کے مجمعِ عام میں توبہ کرے، یوں ہی اس گناہ کے دوسرے حصے دار بھی جو زندہ ہوں مجمعِ مسلمین میں توبہ کریں اور جس رسمِ بد کی بنا ڈالی یا حمایت کی ہے اسے فوراً ختم کریں اور ان میں سے جو لوگ فوت ہو چکے ہوں ان کے سوا مسلمان اس رسمِ بد کو ختم کرکے وقفی زمین کو مسجد کے مناسب کام میں لائیں۔

فقہا فرماتے ہیں: موقوفہ چیز مثلاً زمین کو اس کے غرض وقف میں ہی استعمال کرنا واجب ہے، وہ بھی اسی حالت اور ہیئت کے ساتھ جس پر وہ وقف ہوئی، مثلاً کسی نے مسجد پر اپنا مکان وقف کیا تاکہ مسافر اس میں رہائش اختیار کریں اور اس ذریعہ سے مسجد کی آمدنی ہو تو واجب ہے کہ اسے رہائشی مکان ہی رکھا جائے، اس کے برخلاف اسے باغ کی شکل دے کر اس سے مسجد کے لیے آمدنی حاصل کرنا جائز نہیں، اگر چہ باغ کی آمدنی مکان کی بہ نسبت زیادہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ واقف کا مقصد رہائش کے ذریعہ مسجد کے لیے آمدنی فراہم کرنا ہے تو باغ بنانے میں رہائشی مکان کی شکل وصورت بدل جائے گی۔ یہاں اصل مقصود مسجد کی آمدنی ہے جو مکان سے بھی حاصل ہے اور باغ سے بھی۔ مگر باغ بنانے میں موجود چیز کی شکل وصورت بدل رہی ہے، اس لیے ناجائز ہے اور مسجد کی وقفی زمین کو قبرستان بنانے والے مسئلے میں وقف کی شکل وصورت بھی بدل جا رہی ہے اور ساتھ ہی اس کا مقصدِ اصل بھی بالکل فوت ہو رہا ہے تو یہ بدرجۂ اولیٰ ناجائز وگناہ ہے۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

”لا يجوز تغيير الوقف عن هيئته فلا يجعل الدار بستانا، ولا الخان حماما ولا الرباط دكانا، إلا أن يرى الناظر مصلحة الوقف فيه.“ [ج:۳، ص:۴۹۰، كتاب الوقف، الباب الرابع عشر في المتفرقات] والله تعالىٰ أعلم

(۲)- مسجد کی زمین کو قبرستان بنانا اور اس میں مردے دفن کرنا بلاشبہہ مسجد پر تعدی ہے اور اس کا حکم حکمِ غصب ہے، اس لیے یہاں پر زمینِ غصب میں دفن کا حکم جاری ہوگا جو بہارِ شریعت وغیرہ میں مرقوم ہے، اسے وہیں پر دیکھ لیں، ہم یہاں ایک دو فقہی کتابوں سے اس کا ثبوت نقل کر دیتے ہیں۔

درِ مختار میں ہے: ”(ولا يخرج منه) بعد إهالة التراب (إلّا) لحق آدمي، كـ(أن تكون الأرض مغصوبة أو أخذت بشفعة) ويخير المالك بين إخراجه ومساواته بالأرض، زيلعي.

[كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ج:۳، ص:۱۴۵]

ردالمحتار میں ہے:

”واحترز بالمغصوبة عما إذا كانت وقفا. قال في التاتر خانية: أنفق مالا في إصلاح قبر فجاء رجل و دفن فيه ميته ، وكانت الأرض موقوفة يضمن ما أنفق فيه، ولا يحول ميته من مكانه، لأنه دفن في وقف. اه وعَبَّرَ في الفتح بقوله: يضمن قيمة الحفر، فتأمل.

[كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز، ج:۳، ص:۱۴۵]

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان جد الممتار میں تحریر فرماتے ہیں:

”قوله: أحترز بالمغصوبة عما إذا كانت وقفا.

أقول: الظاهر أن المراد الوقف للقبور، وهو المقبرة، أما المسجد أو الوقف على الفقراء مثلا ، فكيف يجوز التصرف فيه بما ليس له...؟ ومعلوم أن ليس لعرق ظالم حق وليحرز. ولفظ الفتح: من حفر قبراً في مقبرة ليدفن فيه، فدفن غيره لا ينبش لكن يضمن قيمة الحفر اه. فهذا هو الصواب.

[كتاب الصلاة، باب صلاة الجنازة، ج:۳، ص:۳، ۴]

ہاں! قبورِ مسلمین کا احترام چاہیے اور وہاں مدفون مسلمانوں میں کتنے ایسے ہوں گے جن کی تدفین کا قصور ان کے ذمہ کسی طرح نہیں، ان کی حرمت کا لحاظ چاہیے۔ اس عذر کے پیشِ نظر اگر مسلمان چاہیں تو اس زمینِ موقوف سے متصل یا اس کے جوار میں اتنی ہی زمین جو سیلابی نہ ہو باہمی چندے سے خرید کر اس کے بدلے میں مسجد کو دے دیں اور اہلِ مسجد اس کو واقف کے مقصد میں استعمال کریں۔ یہ ایک حل کا راستہ ہے جو کثیر امواتِ مسلمین کی بے حرمتی سے بچنے کے لیے ناچار اپنانا جائز ہے، اگر مسلمان ایسا جلد کر لیں تو ٹھیک، ورنہ اصل حکم وہی ہے جو بہارِ شریعت وغیرہ میں مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳)- یہ تبادلہ شرعاً غلط ہوا، کچھ مجبوری کی صورتوں میں شریعت نے تبادلہ کی اجازت دی ہے، مگر اس کے لیے کئی ایک شرطوں کی پابندی بھی عائد کر دی ہے، انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تبادلے والی زمین اصل وقفی زمین سے کم تر نہ ہو، بلکہ اس سے مساوی یا اس سے بہتر ہو، دونوں زمینوں کے ایک محلہ میں ہونے کا یہی مطلب ہے اور یہاں وقفی زمین غیر سیلابی ہے کہ جب کہ تبادلے والی زمین سیلابی تو یہ وقفی زمین سے کم تر ہوئی، اس لیے مجبوری کی صورت میں بھی اس طرح کے تبادلے کی اجازت نہ ہوگی۔ تو جہاں وقفی زمین سے انتفاع کے لیے کوئی مجبوری نہیں ہے وہاں بدرجۂ اولیٰ یہ تبادلہ ناجائز و کالعدم ہوگا، لہٰذا تبادلے والی زمین اس کے مالک کی ملک میں ہے، وہ اسے واپس لے لے اور اب خیر خواہیِ مسلمین کے پیشِ نظر وقفی زمین سے متصل دوسری زمین لے کر مسجد کے لیے مخصوص کر دے، وہ اس کارِ خیر میں اپنے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

انسانیت کا تحفظ
وقت کا اہم مسئلہ

صابر رضا رہبر مصباحی

راکھین کے روہنگیا مسلمان روئے زمین کی مظلوم ترین اقلیت

حضرت انسان صدی کے سب سے نازک مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالی نے دنیا میں جتنی مخلوقات پیدا کیں، ان میں سب سے زیادہ حساس اور دلگداز انسان کو ہی بنایا۔ ہڈیوں اور گوشت پوست کے مجسمے میں ایک لوتھڑا بھی رکھ دیا جس کی دھڑکن اور تڑپ اس کی روح کو گرما دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے ہم نفسوں کے علاوہ چرند و پرند کی تکالیف کو بھی نہ صرف محسوس کرتا ہے بلکہ اس کی حد درجہ نگہداشت کے ساتھ ہمدردیوں کی مثالیں بھی قائم کیں۔ تاریخ کے صفحات میں انسانوں کے جانوروں اور پرندوں سے قلبی لگاؤ کے کئی لازوال قصے درج ہیں جس میں غیر ذوی العقول مخلوق کے نام اربوں کھربوں کی جائیدادیں وقف کر دی گئیں۔ مگر کسے معلوم تھا کہ حضرت انسان کی زندگی میں ایک ایسا موڑ بھی آئے گا جہاں جانوروں اور پرندوں کے لیے ہمدردی، شفقت اور خلوص کی گنگا بہانے والے کی سخاوت خود انسان کے لیے دم توڑ دے گی۔ اس سے انکار نہیں کہ رنگ و نسل، اونچ نیچ، ذات و مذہب اور برادری کا فرق زمانہ قدیم سے ہے۔ اسی کے نام پر برسوں جنگیں لڑی گئیں اور آج بھی ترقی یافتہ اقوام میں یہ سرد جنگ جاری ہے جس کا مظاہرہ کبھی کبھی سڑکوں پر بھی ہونے لگتا ہے مگر کسی بے زبان جانور کے تحفظ کے نام پر انسانوں پر تشدد کی انتہا، وحشیانہ سلوک اور سفاکانہ قتل یقیناً انسانی ضمیر اور احساس آدمیت کے مردہ ہونے کی چیخ چیخ کر گواہی دے رہا ہے۔ اس پر قیامت یہ ہے کہ انصاف کا پلڑا، سماجی ہمدردی اور قانون کے دوغلاپن کا ڈنڈا بھی مقتول کا مقدر ٹھہرایا جا رہا ہے۔ جانوروں کے تحفظ کے نام پر انتہائی اقدام کرنے والے اور اس کے حامی یہ کیوں فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ عدم رواداری، تشدد اور ظلم کی انتہا کے بطن سے باغی کا جنم ہوتا ہے۔ انصاف کی آس میں پتھرا چکی مایوس آنکھوں سے جب انسانیت کی چمک معدوم ہو جاتی ہے تو وہ پھر صرف جلتا پھرتا انسان ضرور ہوتا ہے مگر اس کے اندر انتقام کی شکل میں کوئی خونخوار درندہ ہوتا ہے جو اپنے شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ پھر اس کے ظلم کی داستان سنا کر اس کے خاتمے کی خوفناک تدابیر اختیار کی جاتی ہے اور کبھی کبھی اس کی سزا اس کی نسلوں تک بھی دی جاتی ہے مگر ایسے وقت میں کسی کو یہ سوچنے کی فرصت کہاں ملتی ہے کہ اس 'درندہ' صفت انسان کے پہلو میں بھی ایک دھڑکتا اور تڑپتا ہوا دل ہے، چلو اس کے دل کو ٹٹول لیا جائے۔ اس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ کوئی انسان فطری طور پر جرائم پیشہ نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ قاتل، ظالم اور جابر بن کر اپنی ماں کے کوکھ سے پیدا ہوتا ہے بلکہ اس کے اردگرد کے حالات، سماجی ماحول، احساس محرومی اور دو قدم آگے بڑھ کر کہا جائے تو انصاف کی تلاش میں لگنے والی ٹھوکریں اس کے اندر کے انسان کو مار دیتا ہے اور پھر سماج یہ واویلا کرتا ہے کہ فلاں شخص انسان نہیں، جانور ہے۔ پولیس، عدالت اور عوام سب اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ ہر شکل میں محبت انسان کی فطرت ہے اور اسی طرح نفرت بھی اس کا خاصہ ہے جو اس کی پسند اور ناپسند کا مظہر ہوتا ہے مگر پسند اور ناپسند کے نام پر تشدد کی گنجائش کبھی کسی مہذب معاشرہ کا وطیرہ نہیں رہا۔

اگر اکیسویں صدی میں انسانی تحفظ کی بات کریں تو انتہائی مایوسی ہوتی ہے۔ صرف مذہب کے نام پر کسی خاص قوم کے بچوں، بوڑھوں کی نسل کشی، عورتوں کی عصمت دری، گھروں کو نذر آتش کرنا اور انہیں ہجرت پر مجبور کر دینا انسانیت کے نام پر کسی کلنک سے کم نہیں۔ حیرت تب ہوتی ہے جب ظلم کی انتہا کے بعد بھی انسانیت اور دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر کروڑوں بے گناہوں کو عبرتناک موت دینے والی عالمی طاقتوں کے سربراہان خاموش نظر آتے ہیں۔ جبری مطالبے پر اگر ان کی زبان کھلتی بھی ہے تو محض رسمی اور کمزور آواز میں صرف

مذمتی بیان سے کام چلالیتے ہیں اور وہ اس کے منتظر ہوتے ہیں کہ جب تک سخت لہجے میں گفتگو کی نوبت آئے اس وقت تک انسانوں کی بستیاں اپنی بربادی پر ماتم کناں نظر آئیں۔ اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیے کیا یہی کچھ آج کل میانمار میں روہنگیوں پر نہیں ہورہا ہے۔ میڈیا میں چھن چھن کر آنے والی تصاویر، ویڈیو اور وہاں سے جان بچاکر بھاگنے والے مظلوموں کی حالت زار سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ ننھے منے بچوں کو ان کے گلے میں ٹائر جلاکر والدین کے سامنے اور سیکورٹی فورسز کی موجودگی میں زندہ جلادیا گیا، بچیوں کی عصمت دری کی گئی، جان بچاکر بھاگنے والوں پر فوج نے ہیلی کاپٹر سے گولی باری کی اور ان کے راستے میں سرنگیں بناکر بارود نصب کردیے جس کی زد میں آکر سیکڑوں مظلوموں کی جانیں چلی گئیں اور سیکڑوں معذور ہوگئے۔ دن کے اجالے میں حکومت کی سرپرستی میں روہنگیوں کی نسل کشی کے باوجود دنیا برما کے سربراہ کو ظالم نہیں قراردے رہی ہے۔ بہت پہلے ٹائمس میگزین نے بودھسٹ دہشت گروپ کے سرغنہ کی تصویر پہلے صفحہ پر شائع کرکے دنیا کو بیدار کرنے کی کوشش مگر دہشت گردی کے خاتمے کی لڑائی کو اپنی موروثی جاگیر سمجھنے والوں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ انسانیت کے تحفظ کے نام پر عراق، شام، یمن، افغانستان اور لیبیا کو خاک وخون میں تبدیل کردینے والے ممالک کی میزائلیں، ڈرون اور خطرناک گیس کا استعمال برما میں کیوں نہیں کیا جارہا ہے، کیا وہاں جو لوگ مارے جارہے ہیں، وہ انسان نہیں ہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ان کے تحفظ کی خاطر ٹھوس اقدامات کیوں نہیں کیے جارہے ہیں؟

اقوامِ متحدہ نے اپنی ایک رپورٹ میں رکھین کے روہنگیا مسلمانوں کو ”روئے زمین کی مظلوم ترین اقلیت“ قرار دے رکھا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق تو دور کی بات انہیں تو خود کو ملک کا شہری کہلانے کا حق بھی حاصل نہیں ہے۔ میانمار غالباً دنیا کا واحد ملک ہے جو محض مذہبی عناد کی وجہ سے اپنے شہریوں کو شہری تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اگست ۲۰۱۲ء میں برطانوی ٹی وی چینل 'چینل فور' نے ایک دستاویزی رپورٹ نشر کی تھی جس میں دکھایا گیا تھا کہ کس طرح مسلمان، کیمپوں میں جانوروں والی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ رپورٹ میں قریباً ۱۰؍ہزار مکانات کا ملبہ بھی دکھایا گیا تھا جس کے بعد اقوامِ متحدہ کے ادارہ برائے پناہ گزین نے اپنی رپورٹ جاری کی جس کے مطابق تشدد کی اس لہر میں کم ازکم ۸۰؍ہزار مسلمان اپنا گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوگئے تھے۔ حقوق انسانی کے لیے کام کرنے والی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل، ہیومن رائٹس واچ نے بارہا عالمی برادری کے سامنے بے شمار ٹھوس دستاویزی اور تصویری ثبوت پیش بھی کیے اور اس ضمن میں اقوامِ متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون سے بھی اپیل کی کہ وہ تشدد روکنے میں اپنا کردار ادا کریں لیکن ساری کوششیں بے سود رہیں۔ اقوام متحدہ نے برما میں مسلمانوں کے قتل عام کو رکوانے میں اپنی ناکامی کا برملا اظہار کردیا جو اپنی ذمہ داری سے دامن چھڑانے کی دانستہ کوشش ہے۔

ماتم کا مقام یہ ہے کہ برما میں روہنگیوں پر مظالم کے پہاڑ ایسے وقت میں توڑے جارہے ہیں جب وہاں کی اسٹیٹ کونسلر امن نوبل ایوارڈ یافتہ خاتون آن سان سوکی ہے۔ یہ وہی سوکی ہیں جنہیں برما حکومت نے حقوق انسانی کی حمایت میں آواز بلند کرنے کی پاداش میں پابند سلاسل کیا تو ہندوستان سمیت پوری دنیا میں بلاتفریق مذہب وملت بے چینی محسوس کی گئی اور لوگ سڑکوں پر اتر آئے۔

آج کل اقوام متحدہ کا اجلاس چل رہا ہے جہاں ہر کوئی دہشت گردی کے خاتمے کی بات کررہا ہے، مگر برما میں جاری سرکاری اور مذہبی دہشت گردی پر انسانیت کے علمبردار کہلانے والے ملکوں کے لیڈران کی زبانیں بھی حیرت انگیز طور پر خاموش رہیں۔ میانمار میں انسانوں کے بہتے خون کو روکنے میں ہم اپنا کردار بھی ٹھیک ڈھنگ سے نہیں نبھا پائے۔ وزیراعظم نریندر مودی برما گئے تو ہندوستان میں روہنگیوں کے حق میں ہونے والے بڑے بڑے مظاہروں، دھرنے اور انسانی زنجیروں کے باوجود روہنگیا مسلمانوں کے قتل عام جیسے سنگین مسئلہ پر انہوں نے میانمار کے لیڈروں سے بات تک نہیں کی، جب کہ ہندوستان میں ۴۰؍ہزار سے زائد روہنگیا پناہ گزیں ہیں۔

وقت کے اس نازک موڑ پر انسانیت کا تحفظ وقت کا سب سے اہم تقاضا ہے۔ اگر وقت کی آواز کو ان سنا کردیا گیا تو پھر اس دور کے ارباب اقتدار کو آنے والی نسلیں معاف نہیں کریں گی کیونکہ انہیں جو دنیا ملے گی اس میں جگہ جگہ انسانی خون کے چھینٹے اور بے گناہوں کی تڑپتی لاشیں ملیں گی۔ ❋❋❋❋

محفل میلادالنبی ﷺ اور چند احتیاطی تدابیر

محمد عرفان حفیظ

نمازِ عشا کے بعد دو گھنٹے، نعتیہ محفلوں میں ایک عالم کا خطاب، ساؤنڈ حسبِ ضرورت اور مساجد کی تعمیر اور ضرورت مندوں کی حاجت روائی وغیرہ گوشوں پر فکر انگیز تحریر

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، سے ربیع الاول کا مہینہ اپنے جلو میں وہ بے پایاں رحمتیں لاتا ہے کہ زمین وآسمان اسکی برکات سے فیض یاب ہوتے ہیں۔اور کیوں نہ ہوں کہ اس ماہ مکرم میں باعث تخلیق کائنات، شہنشاہ ارض وسموات ﷺ کی تشریف آوری ہوئی۔اس مبارک مہینے کی آمد سے قبل ہی خوش عقیدہ مسلمان نبی کریم ﷺ کی آمد مبارک کے محترم مہینے کو خوش آمدید کہنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔جگہ جگہ محافل میلاد کے انعقاد کے اشتہاری بینرز آویزاں ہوجاتے ہیں۔ہر گلی ہر محلہ ہر شہر بلکہ ہر ملک کے مسلمان اپنے اپنے انداز میں اپنے قلبی جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔یقیناً یہ تمام معاملات خوش آئند اور لائق صد تحسین ہیں۔بھلا کون ایسا حرماں نصیب ہوگا جو ان مبارک ایام میں خوشی ومسرت کا اظہار نہ کرے۔ہاں شیطان ضرور سر پٹکتا ہے کہ میری محنت رائیگاں کرنے والی ہستی سے نسبت رکھنے والے مہینے کی آمد ہے۔لہٰذا وہ اولاً تو محفل میلاد کے انعقاد کو ہی مشکوک قرار دے کر شرک وبدعت جیسے مکروہ وناپسندیدہ افعال کا رشتہ اس سے جوڑ دیتا ہے اور اگر صاحبِ عقیدت ونسبت اس وسوسۂ شیطانی سے اپنے آپ کو بچا بھی لے تو وہ مردود پھر بھی جان نہیں چھوڑتا۔اس اجمال کی تفصیل یوں ہے کہ محفلِ میلاد جو شرعی اصطلاح میں مستحب کا درجہ رکھتی ہے اس کی ادائیگی کے لیے محرمات تک کا ارتکاب کر دیا جاتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت بھی قابلِ تعریف نہیں کیوں کہ نہ یہ محفلِ میلاد کا مقصود اور نہ ہی خوشنودی محبوب ﷺ کا ذریعہ۔لہٰذا خیر خواہی کے جذبے کے تحت چند معروضات پیشِ خدمت ہیں کسی اور زاویے سے دیکھنے کی بجائے فقط اصلاحی حوالے سے دیکھا جائے تو امید واثق ہے کہ یہ ہر باشعور قاری کے دل کی آواز ثابت ہوگی۔

رات گئے تک محافل کا انعقاد: حضور ﷺ سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔بحمد اللہ ہر مسلمان اپنے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پاتا ہے۔یہ محبت رسول کا جذبہ ہی ہوتا ہے کہ سارا دن کام کاج میں مصروف رہنے کے بعد تھکا ہارا مسلمان رات کی نیند اور گھر کی آسائش ترک کر کے محفل میلاد میں حاضر ہوجاتا ہے۔یقیناً محفل میلاد میں شرکت اس کے اعتقاد کو پختگی عطا کرتی ہے۔لیکن اس موقع پر منتظمین حضرات اس کو بہت طول دے دیتے ہیں۔اور عمومی طور پر ان محافل کا اختتام رات گئے ہوتا ہے۔دن بھر کام کاج کی تھکن اور خلاف معمول، تاخیر سے سونا وہ عوامل ہیں جن کی بنا پر ساری رات غلامی رسول میں موت بھی قبول ہے کی صدائیں بلند کرنے والا صبح فجر کی ادائیگی سے محروم رہ جاتا ہے حالانکہ جن کی محبت میں اس نے شب بیداری کی انہوں نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے۔میلادی یعنی میلاد منانے والے کو تو نمازی ہونا چاہیے۔

التجا۔ پوری رات کی محافل کی بجائے عشا کی نماز کے زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے کے اندر اگر محفل ختم ہوجائے تو اس میں شرکت کرنا ہر ایک کے لیے آسان ہوگا۔اور کثیر لوگ اس کی برکات حاصل کر سکیں گے۔بہتر یہ ہے کہ محفل کا اختتامی وقت بھی اشتہار میں مذکور ہو اور منتظمین اس کی پابندی کریں تو ہماری محفلوں کی رونق دوبالا ہوجائے۔

مروجہ محافل نعت: آجکل ہر چیز میں گلیمر کا دور دورہ ہے جس کا اثر ہماری محافل پر بھی پڑا ہے۔نعتوں کی طرز ہی کو لے لیجیے۔آج کل پڑھی جانے والی نعتوں اور پہلے کی نعتوں کے انداز میں کتنا فرق ہے اسے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔پہلے کی محافل میں سوز ومحبت کا غلبہ ہوا کرتا تھا اور آج کل خوشی ومسرت کے اظہار کا۔بات یہیں تک رہے تو کوئی حرج نہیں باعث اضطراب صورتحال یہ ہے کہ دف اور ذکر اللہ کے پس منظر نعت خوانی میں تو بعض اوقات نعت اور گانے میں فرق مشکل ہوجاتا ہے۔الیکٹرانک میڈیا کی رنگینیوں نے نعت خواں حضرات کے سادگی والے لباس کو بھی انتہائی فیشن زدہ بنا دیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایک طبقہ اس سے دور ہوتا جا رہا ہے۔مزید برآں نعت خواں حضرات کی طویل فہرست جن کی اکثریت پروفیشنل ہوتی جا رہی ہے۔چہرہ سنت رسول ﷺ سے عاری، اعمال صالحہ سے دوری کی بنا پر نعت اور نعت خوان کا تقدس مجروح ہورہا ہے۔ایسے ماحول میں یقیناً وہ حضرات لائق

صد مبارکباد ہیں جو نعت خوانی کو بطور پیشہ نہیں بلکہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کی سنت سمجھ کر پڑھتے ہیں اور دلوں میں عشق رسول ﷺ بڑھانے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

التجا۔ دو یا تین دِین دار اور مذہبی حلیہ رکھنے والے نعت خوان حضرات کو مدعو کیا جائے۔اور علمائے اہل سنت کے کلام پڑھنے کا عرض کیا جائے ۔اس کے ساتھ محفل نعت میں کسی سنی عالم کا وعظ بھی ضرور ہونا چاہیے۔ تاکہ لوگ ان جلسوں سے سرکار ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں سیکھ سکیں اور اس کو اپنی ذات پر نافذ کر سکیں۔

طاقتور ایکو ساؤنڈ کا استعمال: آج کل آواز میں مخصوص ردھم پیدا کرنے کے لیے ایکو ساؤنڈ کا استعمال چل نکلا ہے جس سے محفل میں موجود ناظرین وسامعین تو محظوظ ہو رہے ہوتے ہیں۔ مگر منتظمین حضرات کی توجہ اس طرف کون مبذول کروائے کہ محفل نعت کے قریب ہی کوئی بیمار آہیں بھر رہا ہے لیکن طاقتور ساؤنڈ نے اسے نیند کی وادی سے بہت دور کر دیا ہے۔انہیں کون بتائے کہ اسی محلے میں کوئی طالب علم اپنے امتحان کی تیاری میں مشغول ہے مگر انتہائی تیز آواز اس کے مطالعہ میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔کسی گھر میں محنت کش دن بھر محنت مزدری کر کے تھکا ہارا اپنے بستر پر کروٹیں بدل رہا ہے لیکن شور کی آواز سے وہ سو نہیں پا رہا۔ اس صورت میں اگر کوئی مجبور ولاچار اپنی بیکسی کا اظہار کردے اور منتظمین سے جاکر اپنا احوال بیان کرنے کی جسارت کر دے تو اس پر کم سے کم حکم بدمذہبیت کا لگایا جاتا ہوگا۔ مت پوچھیے کہ اس صحیح العقیدہ مسلمان کی اس وقت کیا حالت ہوتی ہوگی۔اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ہم اس نبی صادق ﷺ کی آمد کی خوشیاں منا رہے ہیں جو مظلوموں کا سہارا بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ جنہوں نے آنکھ کے اشارے سے بھی کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانے سے منع فرمایا ہے۔

بانیان محفل اس محفل کا اہتمام نہ کرتے تو ان پر کوئی حکم شرعی نافذ نہ ہوتا لیکن ایسی محفل جو مسلمان کی تکلیف اور اذیت کا باعث بنے اور مذکورہ بالا امور اس میں موجود ہوں تو کسی صحیح العقیدہ سنی مفتی سے رہنمائی ضرور لے لی جائے۔

التجا ۔منتظمین کو چاہیے کہ ایسے اجتماعات کے لیے ان میدانوں کا انتخاب کریں جن کے قریب آبادی نہ ہو۔اس کا ایک حل یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایسی محافل مسجد میں کی جائیں اور صرف اندرونی اسپیکر ہی استعمال کیے جائیں اور ان کی آواز بھی اتنی ہو کہ قریبی گھروں کے لوگ اس سے ڈسٹرب نہ ہوں۔

مساجد اور مدارس توجہ کے طالب: میلاد شریف کا مہینہ آتے ہی مختلف انجمنیں اور تنظیمیں عظیم الشان محافل کا انعقاد کرتی ہیں۔ بہترین قسم کے پنڈال کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ یقیناً یہ ساری کاوشیں محبت رسول ﷺ کا اظہار کرتی ہیں لیکن تعجب انگیز صورتحال یہ ہے کہ ان عظیم الشان محافل کا انعقاد کرنے والوں کے علاقوں میں کئی مساجد زیر تعمیر ہوتی ہیں۔ لیکن سرمائے کی کمی کی وجہ سے ان کی تعمیر مکمل نہیں ہو پاتی ۔ یہ معاملہ دیکھ کر ایک حساس دل سے یہ صدا نکلتی ہے کہ کیا مساجد کی تعمیر و آرائش سے پیغمبرِ اسلام ﷺ سے محبت کا اظہار نہیں ہوتا۔؟ کیا میلاد کے لیے چندہ کرنے والے اسی اہتمام کے ساتھ کسی مسجد ، مدرسہ یا رفاہی کاموں کے لیے بھی چندہ کرتے ہیں؟ اگر ان کا ذوق وشوق ایسا ہی ہوتا ہے تو بہت خوب۔ بصورت دیگر اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مسجد کی تعمیر ایک مستقل کام ہے اور اس سے فوائد کا حصول بھی زیادہ ہے اور یہ بشارت بھی اس خوش نصیب کے لیے ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے گھر بنایا اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں گھر بنائے گا۔(سنن ترمذی باب ماجاء فی فضل بنیان المسجد حدیث نمبر ۳۱۸)

التجا۔ محفلِ میلاد اور جلوسِ میلاد کا انعقاد ضرور کیجیے یہ ہماری پہچان ہیں ۔ان کے ساتھ ساتھ رفاہی کاموں ، یتیموں کی کفالت ،غریبوں کے روزگار میں معاونت ، اسپتالوں کی تعمیرات وہ امور ہیں جو حالات زمانہ کا تقاضا بھی ہیں اور میلاد شریف کی عظمتوں کو اجاگر کرنے کا جدید انداز بھی۔ مثلاً میلاد کا انعقاد کرنے والی تنظیم کے پلیٹ فارم سے اعلان کیا جائے کہ فلاں قریبی مسجد کا انتظام چلانے کے لیے اتنی رقم پیش کی جارہی ہے۔ یا فلاں رفاہی کام کے لیے تعاون کیا جارہا ہے وغیرہ۔ لیکن اس کے شرعی تقاضے پورا کرنا ضروری ہے۔ جیسے کسی مخصوص کام کے لیے لیا گیا چندہ دوسرے کام میں اس وقت تک استعمال نہیں کیا جاسکتا جب تک چندہ دینے والے سے اس کی اجازت نہ لی جائے) یقین جانیں آپ کا یہ عمل معاشرے میں ایک مثبت تبدیلی کا نقطہ آغاز بھی ہوگا اور میلاد شریف کے تقدس کا ذریعہ بھی۔ اور اس سے نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ کے انداز کو عوام کے سامنے پیش بھی کیا جاسکے گا۔

یہ بات بڑی حوصلہ افزا ہے کہ بعض دینی جماعتوں نے محافل نعت کے موقع پر اس طرح کے کام کا آغاز کیا ہے۔ لیکن ضرورت اس بات کی ہے اس کو جماعتی بنیاد پر شروع کیا جائے۔ اللہ کریم ہمیں اپنی رضا کے لیے شریعت مطہرہ کے دائرے میں رہتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی آمدِ مبارکہ کی خوشیاں منانے کی توفیق عطا فرمائے۔

منا ؤ جشن بہاراں اس احتیاط کے ساتھ
کسی چراغ کی لو سے کسی کا گھر نہ جلے

فن تجوید وقرأت کے فروغ میں

خانوادۂ قاری احمد ضیاء ازہری کا کردار

مولانا قاری محمد عرفان قادری

والد ماجد کی فنی خدمات پر صاحب تنویر المرأت نے صفحہ ۱۶/ پر اس انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

"تھوڑے عرصہ میں اس سرچشمۂ فیض نے ہزارہا لوگوں کو علم تجوید وقرأت کے انمول موتیوں سے مالا مال کر دیا۔ خدا کا شکر ہے کہ تاریخی صفحات میں حضرت والد صاحب قبلہ کی یہ پہلی ہستی ہے کہ جس سے قلیل مدت میں کیسے کیسے لائق فائق قاری اور مقری بنا کر فارغ کر دیے۔ آج وہ تجوید وقرأت کے تدریس پر متمکن ہیں اور اہل علم ان پر فخر کرتے ہیں بالخصوص آپ کے تلامذہ میں مدرسین درجۂ قرأت مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ اور قراء فارغین مدرسہ سبحانیہ الہ آباد وغیرہ زندہ مثالیں ہیں"۔

مشہور تلامذہ: قاری ضیاء الدین احمد رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف مقامات اور مدارس میں رہ کر تعلیم دی ہے اس لیے آپ کے تلامذہ اور شاگرد ہندوستان وپاکستان کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ قاری عبد المعبود برادر خورد، قاری وصی الرحمٰن اسلام آبادی، قاری محمد صالح لکھنوی، قاری عبد اللہ تھانوی مرادآبادی، قاری عبد المالک، قاری ریاض الدین احمد بڑے صاحبزادے، قاری عصام الدین دوسرے صاحبزادے قاری مستجاب الدین تیسرے صاحبزادے، قاری محب الدین احمد چوتھے صاحبزادے، قاری ریاست علی اعظمی، پروفیسر غلام مصطفی علی گڑھی وغیرہ آپ کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔ (بحوالہ موارد الظمآن)

وفات: عرصہ تک علیل رہ کر ۷/ ربیع الثانی ۱۳۷۱ھ شنبہ کے دن قبل مغرب الہ آباد میں انتقال فرمایا اور وہیں تدفین عمل میں آئی اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔

حضرت مولانا حافظ وقاری محب الدین احمد:

آپ کا اسم گرامی فخر القراء، بقیۃ السلف القاری والمقری حضرت مولانا محب الدین احمد ہے۔ آپ حضرت قاری ضیاء الدین صاحب کے سب سے چھوٹے صاحب زادہ ہیں۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء کو قصبہ نارہ ضلع الہ آباد میں ہوئی۔ قرآن مجید کا حفظ آپ نے والد صاحب کی نگرانی میں پورا کیا۔ اس کے بعد آپ علوم دینیہ کی تحصیل کے لیے امروہہ تشریف لے گئے۔ امروہہ سے واپسی کے بعد استاذ القراء حضرت قاری عبد الرحمٰن مکی علیہ الرحمہ کے پاس آپ نے تجوید وقرأت سبعہ وعشرہ کی تکمیل فرمائی۔ پھر حضرت ہی کے حکم وارشاد پر اپنے والد صاحب سے سبعہ وعشرہ کی سند حاصل کی۔

آغاز تدریس: آپ کے والد صاحب الہ آباد میں مدرسہ سبحانیہ جامع مسجد میں مدرس تھے والد صاحب کے زمانۂ حیات ہی میں مدرسہ ھٰذا میں والد صاحب کی جگہ آپ مدرس ہوئے۔ درس و تدریس کے علاوہ الہ آباد کی جامع مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیئے جس سے طلباء کے ساتھ ساتھ شہر اور قرب و جوار کے عام مسلمانوں نے بھی آپ استفادہ کیا۔

لکھنؤ تشریف آوری: اسی زمانے میں تمباکو کے مشہور تاجر جناب فقیر محمد صاحب اینڈ سنس نے خاص طور پر تجوید وقرأت کا ایک مدرسہ "تجوید الفرقان" کے نام سے لکھنؤ میں قائم کیا جس کے جملہ اخراجات کے خود ہی کفیل تھے۔ موصوف نے اس مدرسہ کی مسند صدارت کے لیے قاری صاحب کو زحمت دی اس طرح آپ الہ آباد سے لکھنؤ تشریف لائے۔ مدرسہ تجوید الفرقان میں آپ نے طویل عرصہ تک قرآن مجید کی خدمت انجام دی۔ آپ کی بافیض درسگاہ سے قراء کی بڑی جماعت تیار ہو کر نکلی۔

مرکزی دار القرأت سے تعلق: آخری زمانے میں آپ کے صاحب زادے حضرت علامہ قاری احمد ضیاء ازہری صاحب نے لکھنؤ ہی میں ایک مدرسہ بنام "مرکزی دار القرأت" قائم فرمایا۔ حضرت قاری صاحب اب ضعف وپیرانہ سالی کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے مدرسہ آنا جانا آپ کے لیے پریشانی کا باعث تھا صاحب زادے نے آپ کو اس مدرسے کی صدارت تدریس تفویض کر

استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج لکھنؤ

دی اور آپ تاحیات مرکزی دارالقرآت کے نگراں رہے۔

تدریسی خوبیاں: آپ کے درس میں عجیب وغریب برکت تھی۔کم وقت میں بہت آسانی کے ساتھ طلبہ آپ سے استفادہ کر لیتے تھے۔ شاطبیہ جیسی ادق اور مشکل کتاب آپ بہت آسان بنا کر پڑھا دیتے تھے۔آپ کو قرآن پاک سے بہت گہرا لگاؤ اور تعلق تھا۔تجوید وقرآت کے ذکر وتذکرہ میں جتنی مسرت اور فرحت آپ کو ہوتی کسی اور گفتگو سے نہیں ہوتی تھی۔عدیم النظیر اساتذۂ فن سے آپ کو نسبتیں حاصل تھیں جن سے آپ سراپا تبرک بن گئے تھے۔

آپ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاری مفتی محمد حسین اشرفی مالیگانوی رقم طراز ہیں:

"اس دور میں طلبہ کا ایسا ہجوم رہتا تھا جس سے پرانے زمانے کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ہر وقت طلباء آپ کو گھیرے رہتے تھے،بیرونی طلباء کی کثرت سے مدرسہ سبحانیہ آباد رہتا۔آپ کی ذات نے یہ ثابت کر دیا کہ اخلاص وکمال فن موجود ہو تو خود بخود طلباء ایسے استاذ کو گھیرے رہتے ہیں"۔(تیسیر الطبع فی اجراء السبع،ص ۲۴ جلد اول)

واضح رہے کہ حضرت قاری محمد حسین اشرفی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت قاری محب الدین صاحب سے الہ آباد میں تین سال تک استفادہ کیا اور آپ ہی سے سند قرآت حاصل کی۔

تصنیفات: تدریس کے اندر آپ نے جو عظیم الشان خدمت انجام دی وہ اظہر من الشمس ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ قلم سے بھی فن کی وہ اعلیٰ خدمت انجام دی کہ قریب کی صدیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔فنی کتابوں کی تصنیف میں آپ کو خصوصی ملکہ حاصل تھا۔آپ کی مشہور تصنیفات کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

(۱) تنویر المرآت شرح ضیاء القرآت۔ یہ آپ کے والد گرامی حضرت قاری ضیاء الدین صاحب کی تصنیف "ضیاء القرآت" کی مفصل شرح ہے۔فن تجوید کے ضروری امور اور بہت سے علمی مضامین کا گراں بہا مجموعہ ہے۔یہ شرح نہ صرف طلباء بلکہ اساتذہ کے لیے بھی مفید ہے۔

(۲) معرفۃ التجوید۔ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں مسائل تجوید بہت ہی آسان انداز میں قواعد وفوائد کی شکل میں لکھے گئے ہیں۔موجودہ وقت میں فن تجوید وقرآت کی عظیم شخصیت حضرت علامہ قاری احمد جمال القادری دام ظلہٗ العالی نے اس رسالہ پر جامع التجوید کے نام سے حاشیہ بھی لکھا ہے۔

(۳) تحفۃ المبتدی۔ اس رسالہ میں مضامین تجوید بعنوان اسباق منقسم ہیں تاکہ طلبہ کو یاد کرنے میں سہولت ہو۔اس کتاب میں تین مقامات پر سوالات بھی قائم کیے گئے ہیں۔

(۴) حواشی مرضیہ۔ یہ فن کی مشہور کتاب فوائد مکیہ پر ایک حاشیہ ہے۔

(۵) کاشف الابہام لحمزۃ وہشام۔ ہمزہ والے کلمہ پر بحالت وقف امام حمزہ وہشام کے نزدیک جو مشکل وجوہ پیدا ہوتی ہیں علم قرآت کے طلبہ پر یہ مخفی نہیں ہے اسے حل اور سہل کرنے میں یہ نہایت عمدہ رسالہ ہے۔اس رسالہ پر بھی حضرت مولانا قاری احمد جمال القادری صاحب گھوسوی نے حاشیہ تحریر کیا ہے۔

(۶) جامع الوقف: یہ کتاب ترتیل کے دوسرے جز علم الوقف پر مشتمل ہے۔تمام مدارس میں داخل نصاب ہے۔اس کتاب کی متعدد شرحیں لکھی جا چکی ہیں۔ان سب میں نہایت ممتاز شرح "توضیح الوقف شرح جامع الوقف" ہے جسے مولانا قاری محمد صدیق فلاحی ترکیسر گجرات نے تحریر کیا ہے۔

(۷) معرفت الوقوف: اس رسالہ میں حضرت مصنف ـــــ نے بطور خاص ملحقات قرآت یعنی وقف،سکتہ،سکوت،قطع،ابتدا،اعادہ اور وصل کے احکام کو قلمبند کیا ہے۔کتاب کی تیسری فصل محل وقف کے بیان کو پڑھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب فن قرآت کے ساتھ علوم عربیہ نحو وصرف وغیرہ پر بھی کتنا اعلیٰ درک رکھتے تھے۔

(۸) معرفۃ الرسوم: اس کتاب میں رسم عثمانی کے متعلق قواعد بیان کیے گئے ہیں۔چونکہ قرآت کے قبول اور معتبر ہونے کی تین شرطیں ہیں۔اول متصل اور صحیح سند کے ذریعہ نبی ﷺ سے ثابت ہونا۔دوم عثمانی مصاحف کی رسم کے موافق ہونا۔سوم صرف ونحو کی کسی ایک وجہ کے مطابق ہونا۔اسی لیے قرآن کی رسم الخط کا فن بھی جلیل القدر اور عظیم الشان ہے۔اسی وجہ سے بڑے بڑے ائمہ وقراء نے اس علم کو سیکھنے اور سکھانے میں اپنی زندگیاں وقف کر دیں اور اس فن پر بزبان عربی عظیم وجلیل کتب بھی تصنیف کیں۔حضرت قاری محب الدین علیہ الرحمہ نے رسم الخط کے متعلق قواعد کو اردو زبان میں منتقل فرمایا۔یہ آپ کا احسان عظیم ہے۔حضرت قاری احمد جمال القادری ودیگر اساتذہ فن نے اس کتاب پر حاشیہ لکھ کر اس کی افا

دیت کو دو بالا کر دیا ہے۔ معرفۃ الرسوم پر مصنف کے والد گرامی حضرت قاری ضیاء الدین صاحب کی شاندار تقریظ بھی مرقوم ہے جس کا ایک اقتباس ذیل کے سطور میں پیش کرتے ہیں۔

"فن رسم خط میں کتب عربیہ مقنع ورائیہ وغیرہ بہت ہیں مگر زبان اردو رائج میں کوئی کتاب اس فن شریف کی باوجود حاجت شدیدہ نظر سے نہیں گزری۔ الحمد للہ والمنۃ کہ اس حاجت کو میرے چھوٹے لڑکے حافظ قاری مولوی محب الدین احمد سلمہ مدرس مدرسہ سبحانیہ الہ آباد نے پوری کی اور اصول رسم خط میں ایک رسالہ موسوم بہ "معرفۃ الرسوم" جو ہدیۂ ناظرین ہے باوجود قلت فرصت کے ایک عجیب ترتیب سے مرتب کیا جس کو میں نے من اولہ الی آخرہ دیکھا اور کتاب مقنع (مصنفہ) علامہ دانی علیہ الرحمہ کے مطابق پایا"۔ (معرفۃ الرسوم، ص ۲۳)

تلامذہ: آپ سے بے شمار قاریوں نے قرأت کی سند حاصل کی مشہور و معروف شاگرد یہ ہیں۔ قاری محمد حسین اشرفی مالیگانوی مصنف تیسیر الطبع، قاری محمد عثمان اعظمی مصنف مصباح التجوید، قاری محمد یحییٰ صاحب مبارکپوری، قاری احمد جمال القادری صاحب شیخ القرأت جامعہ امجدیہ گھوسی۔

وفات: ۱۰ر شوال المکرم ۱۴۰۱ھ ریکم اگست ۱۹۸۲ء دہلی میں وفات ہوئی اور دہلی ہی میں مدفون ہوئے۔

مجود اعظم ہند حضرت علامہ قاری احمد ضیاء ازہری علیہ الرحمہ:

ولادت و تعلیم: حضرت قاری احمد ضیاء ازہری کی پیدائش ۱۹۳۴ء میں یوپی کے مشہور شہر الہ آباد میں ہوئی۔ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد میں اپنے جد امجد علامہ قاری ضیاء الدین اور والد بزرگوار علامہ قاری محب الدین علیہما الرحمہ سے حفظ قرآن، تجوید و قرأت اور دیگر علوم و فنون کی تکمیل فرمائی اور ۱۹۶۰ء میں سند فراغت حاصل کی۔ مدرسہ سبحانیہ الہ آباد سے فراغت کے بعد عالم اسلام کی شہرہ آفاق یونیورسٹی جامعہ ازہر مصر تشریف لے گئے اور ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۵ء تک عربی زبان و ادب، انگلش وغیرہ میں مہارت حاصل کر کے اپنے وطن واپس ہوئے۔

آغاز تدریس: مصر سے واپسی کے بعد مدرسہ تجوید الفرقان لکھنؤ سے آپ نے تدریس کا آغاز فرمایا۔ اس وقت یہ مدرسہ شہر لکھنؤ میں قرأت کا مرکز تھا۔ آپ کے والد محترم حضرت قاری محب الدین صاحب ـــــ اسی ادارہ میں تجوید و قرأت کے منصب صدارت پر فائز تھے۔ حضرت ہی کے زیر سایہ رہ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ تجوید و قرأت کی خدمات انجام دینا شروع کیں۔ بعد ازاں محلہ پاٹا نالہ شہر لکھنؤ میں 'مرکزی دار القرأت' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ کافی عرصہ تک اسی ادارہ میں طالبان علوم نبویہ کو سیراب کیا، اس کے بعد دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا بستی، دار العلوم وارثیہ لکھنؤ، دار العلوم اشرفیہ کچھوچھہ وغیرہ میں گراں قدر تدریسی خدمات انجام دیں اور خوب خوب علمی فیضان عام ہوا۔ شہر لکھنؤ میں تجوید و قرأت کی معروف درس گاہ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن سے قاری صاحب علیہ الرحمہ کو خصوصی لگاؤ تھا۔ ۱۹۹۱ء میں قائم ہونے والے اس ادارہ کا سنگ بنیاد حضرت نے اپنے دست بابرکت سے رکھا، ترقی و کامیابی کے لیے خصوصی دعائیں کیں اور تقریباً دس سال تک ادارے کو حضرت کی سرپرستی حاصل رہی۔ یہ حضرت کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ ادارہ روز افزوں ترقی پر ہے اور قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشن کو عام کر رہا ہے۔

قاری صاحب نے اپنی پوری زندگی خدمت قرآن میں گزاری اور اپنے والد ماجد اور جد امجد علیہما الرحمہ کے نقش قدم پر چل کر اس فن کو وہ ضیاء بخش دی کہ جس سے ہزاروں چراغ روشن ہو گئے۔ فن تجوید و قرأت کے فروغ و ارتقاء کے حوالے سے مولانا قاری سید واقف علی اشرفی لکھتے ہیں:

"علوم قرأت کی ترویج و اشاعت کا جذبہ اور اہل علم کی جانب سے فن قرأت کے ساتھ غیر منصفانہ سلوک کا درد آپ کو وراثت میں ملا تھا اسی درد اور اسی جذبہ نے تمام عمر آپ کو چین کا سانس نہیں لینے دیا حد تو یہ ہے کہ رمضان کے ایام میں بھی آپ کا علمی و فنی فیضان جاری رہتا اور طلبہ مستفیض ہوتے رہتے"۔ (التعارف، ص ۸)

معروف عالم دین حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"حضرت قاری احمد ضیاء صاحب نے فن تجوید و قرأت کے فروغ و ارتقاء میں جو آفاقی خدمات انجام دی ہیں انہیں خدمت قرآن کی تاریخ میں زریں حروف سے لکھا جائے گا اور اسلامی درسگاہوں میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا"۔ (شہر خموشاں کے چراغ، ص ۲۰۶)

تلامذہ: قاری صاحب کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ آپ سے بے شمار قاریوں نے قرأت کی سند حاصل کی جو آج مختلف علاقوں میں قرآن مجید کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ مشہور

شاگردوں کے نام یہ ہیں ۔ حضرت قاری ابوالحسن صاحب سابق شیخ القرأت جامعہ اشرفیہ مبارکپور، مولانا قاری خلق اللہ صاحب خلیق فیضی براؤں شریف، مولانا قاری حکیم خواجہ شمس الدین صاحب لکھنؤ، قاری محمد مطلوب رضوی بستی، قاری غلام شعیب اشرفی رائے پور، قاری لئیق اشرفی کانپور، قاری اسلم ربانی جمشید پور، قاری محمد اسماعیل مدینہ شریف، قاری محمد رئیس بریلی شریف، قاری غلام غوث الوریٰ برکاتی شیخ القرأت مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ، مولانا قاری محمد یوسف عزیزی بلرامپوری، قاری صبغۃ اللہ لکھنؤ، قاری محمد عتیق مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، قاری محمد عثمان لکھنؤ، قاری سید منظر حسین چشتی پھپھوند شریف، قاری محمد ایوب قادری گونڈہ، قاری شمس الدین فیض آباد، مولانا قاری سید واقف علی اشرفی، فخر القراء استاذ گرامی حضرت قاری ذاکر علی صاحب قادری بانی وصدر المدرسین مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن لکھنؤ۔

تدریسی و ذاتی خوبیاں: مجود اعظم ہند علیہ الرحمہ کو درس و تدریس پر خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ میں نے اپنے استاذ گرامی فخر القراء حضرت قاری ذاکر علی صاحب قبلہ قادری سے بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجود اعظم ہند طلبہ کی لیاقت وصلاحیت کے اعتبار سے ہی درس دیتے تھے۔ طالب علم اگر زیادہ ذہین اور عربیت سے واقف ہوتا تو اکثر اوقات جو حوالے پیش کرتے وہ عربی میں اور پھر اس کی شاندار توضیح وتشریح فرماتے اور اگر طالب علم کم صلاحیت والا ہوتا تو عبارت کی تشریح وتوضیح اردو میں نہایت آسان انداز میں کرتے۔ دوران درس کوئی طالب علم سوال کرتا تو پہلے اس کے پورے سوال کو غور سے سنتے اور پھر اس کو اسی وقت تشفی بخش جواب دیتے۔ مشکل سے مشکل مسئلہ کو اس طرح حل کر دیتے کہ طلباء خوشی سے جھوم اٹھتے۔ ذاتی اعتبار سے بھی آپ گوناگوں خصوصیات کے حامل تھے۔ بلند اخلاقی، مہمان نوازی اور غیرت وخودداری میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔

تصنیفات و تالیفات: تدریسی میدان کے شہسوار تو آپ تھے ہی اس کے ساتھ ساتھ تحریر کے اندر بھی آپ نے قابل قدر خدمات انجام دیں اور اس فن میں کئی کتابیں یادگار چھوڑیں۔ پہلی کتاب جامع القرأت ہے، اس میں قرأت سبعہ کے اصول اختلافات کا ذکر سہل ترین انداز میں کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اردو زبان میں ہونے کی وجہ سے شاطبیہ اور التیسیر سے قبل طلبہ کے لیے انتہائی مفید ہے۔ بیش تر درسگاہوں میں یہ کتاب داخل نصاب ہے۔ حضرت مولانا قاری احمد جمال القادری صاحب شیخ التجوید جامعہ امجدیہ گھوسی نے اس پر گراں قدر حواشی تحریر فرمائے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت دوبالا ہو گئی ہے۔ آپ کی دوسری کتاب ضیاء الترتیل ہے جو روایت حفص میں ہے۔ تیسری کتاب معرفۃ القرأت ہے جو معرفۃ التجوید کے وزن پر لکھی گئی ہے اور اس میں قرأت سبعہ کے مسائل قواعد وفوائد کے انداز میں بیان کیے گئے ہیں۔ چوتھی اور سب سے اہم تصنیف ”التعارف فی اجراء سبعۃ احرف“ المعروف ضیاء الطبع فی اجراء السبع ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب آپ کی زندگی میں زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی تھی۔ ۲۰۰۴ء میں قاری صاحب کی اہلیہ محترمہ بڑی امی صاحبہ کی اجازت سے اس کی طباعت کا شرف مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن کو حاصل ہوا اور اب اس کی دونوں جلدیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ یہ کتاب طلبہ کے علاوہ اساتذہ کے لیے بھی انتہائی مفید ہے۔

پانچویں کتاب: ”تحقیقات جدید در مسائل قرأت وتجوید“ ہے۔ یہ کتاب قاری صاحب علیہ الرحمہ کی علمی افادات کا مجموعہ ہے جو ۴۸/ صفحات پر مشتمل ہے۔ مذکورہ کتاب کو آپ کے دو لائق وفائق شاگرد حضرت قاری غلام محمد شعیب اشرفی اور حضرت مولانا قاری سید واقف علی اشرفی پرنسپل جامعہ صوفیہ کچھوچھہ شریف نے ۲۰۱۳ء میں زیور طباعت سے آراستہ کیا ہے۔

قاری صاحب ــــــ کی اہم علمی کاوش شاطبیہ کی شرح بھی ہے جو ”ضیائیہ شرح شاطبیہ“ کے نام سے مارچ ۲۰۱۵ء میں شائع ہوئی ہے۔ مذکورہ شرح کے مسودہ کو بھی آپ کے تلمیذ مولانا قاری سید محمد واقف علی اشرفی نے تکمیل وتحشیہ کے مراحل سے گزار کر اس کی طباعت کا فریضہ انجام دیا ہے۔ یہ کتاب قاری احمد ضیاء ایجوکیشنل سوسائٹی راجہ جی پورم لکھنؤ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

وفات: قرآن کریم کا یہ بے مثال خادم تقریباً ۶۷ سال کی عمر پاکر ۱۴/ اگست ۲۰۰۱ء میں مختصر علالت کے بعد اس دار فانی کو خیر آباد کہتے ہوئے اپنے خالق ومالک سے جاملا اور تین نسلوں پر مشتمل خدمات کا جو سلسلہ تقریباً ایک صدی سے چلا آرہا تھا آپ کے وصال کے بعد اس کی آخری کڑی ٹوٹ گئی۔ مجود اعظم ہند علیہ الرحمہ کی قبر شریف جلیل شاہ قبرستان راجہ جی پورم لکھنؤ میں ہے۔

☆☆☆☆

آئینۂ وطن

ہندوستان میں پیدا ہونے والے ہندو نہیں بلکہ ہندوستانی

دھشت گرد صرف مسلمان نہیں کسی بھی مذھب کا ھو سکتا ھے-

لکشمی پور (مہراج گنج) (ایس این بی) ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، یہاں ہر ایک کو برابر کا درجہ حاصل ہے۔ ہر شخص کو اپنے مذہب کے اعتبار سے زندگی گزارنے کا پورا حق ہے، مگر افسوس کی بات ہے کہ کچھ لوگ غیر مہذب اور بدبختانہ بیان دے کر ملک کا امن و امان تار تار کر رہے ہیں۔ ہندوستان ہندو راشٹر ہے، اس بیان پر عدلیہ اور پارلیمنٹ کو احتساب کرنا چاہیے، یہ ملک کسی ایک قوم یا مذہب کے لیے خاص نہیں۔ مذکورہ خیالات کا اظہار تنظیم ابنائے اشرفیہ کے کنوینر علامہ مبارک حسین مصباحی نے اخباری بیان میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ نفرت کی آگ بھڑکانے والوں سے عوام کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔

ہند میں پیدا ہونے والا ہندو نہیں بلکہ ہندی ہے بالفاظِ دیگر ہندوستان میں پیدا ہونے والا ہندو بھی ہندوستانی ہے۔

حضرت علامہ مصباحی نے مزید فرمایا کہ آر.ایس. ایس. کے صدر بھاگوت نے اپنے بیان میں جو کہا وہ انتہائی افسوس ناک ہے، ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے، اسے ہندو راشٹر کہنا ہندوستانی کی سیاسی تاریخ سے لاعلمی کی علامت ہے۔ ہندوستان میں ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کے مطابق زندہ رہنے اور اپنے مذہبی اصولوں کے مطابق عمل کرنے کا قانونی حق ہے۔ (روزنامہ راشٹریہ سہارا، گورکھ پور)

ہندوستان ہرگز ہندو راشٹر نہیں ہے۔ یہاں کا دستور جب بنایا گیا اور آزادی کے بعد جب ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم ہوئی تو اسے ایک سیکولر (غیر مذہبی) ملک قرار دیا گیا اور دنیا کے تمام یہاں تک کہ مجلس اقوام متحدہ بھی اسے ایک سیکولر ملک ہی مانتی ہے، اور پوری دنیا میں ایک بھی ملک ایسا نہیں ہے جو ہندوستان کو ہندو راشٹر مانتا ہو۔ ایسی صورت میں جو بھی ہندوستان کو ہندو، مسلم، سکھ، بدھ اور عیسائی ملک قرار دے وہ دستور ہند کا باغی ہے۔ سیکولرزم ہماری بنیاد ہے اور ہمارے ملک میں بہت سارے مذاہب کے ماننے والے آباد ہیں جو باہم مل جل کر ملک کا نظام چلا رہے ہیں، ایسی صورت میں کسی ایک مذہب ایک مذہب سے اس کثیر المذاہب ملک کو منسوب کرنا ملک کے شیرازہ کو منتشر کرنے کی غیر مناسب حرکت ہے۔ مذکورہ باتیں آل انڈیا بابری مسجد ایکشن کمیٹی کے کنوینر مولانا محمد ادریس بستوی نے اپنے ایک بیان میں کہا۔ مولانا موصوف نے مزید کہا کہ آر ایس ایس کے سربراہ نے اندور میں اپنی تقریر میں جو دعویٰ کیا ہے کہ یہ ملک ہندو راشٹر ہے اس کا احتساب ملک کی عدلیہ اور پارلیمنٹ کو کرنا چاہیے اور سوا ارب آبادی والے اس ملک کے باشندوں کو بتانا چاہیے کہ یہ ملک کسی ایک قوم، ایک مذہب اور ایک نظریہ سے منسوب ہے یا تمام نظریات کے ماننے والوں کا مشترکہ سیکولر ملک ہے۔ آر ایس ایس کے سربراہ نے بطور دلیل یہ کہا ہے کہ جس طرح ملک جرمن میں پیدا ہونے والا ہر بچہ جرمنی اور امریکہ میں پیدا ہونے والا ہر نومولود امریکی ہے اسی طرح ہندوستان میں پیدا ہونے والا ہر بچہ ہندو ہے۔ ان کی یہ دلیل سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے اس ملک میں پیدا ہونے والے تمام بچے ہندو نہیں بلکہ "ہندی" ہیں اور ہمیں ہندی ہونے پر فخر ہے۔ ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا۔

ماہ نامہ اشرفیہ کے چیف ایڈیٹر حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے لفظ ہندو کے تعلق سے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ "ہندو" کا لفظ پہلی بار ہندوستان کے باشندوں کے لیے غیر ملکی حملہ آوروں نے استعمال کیا جو اپنے اندر توہین کا پہلو رکھتا تھا۔ ان حملہ آوروں کے استعمال کردہ لفظ کو بھاگوت صاحب اتنا کیوں پسند کر رہے ہیں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ مولانا نے مزید کہا کہ "جناب امر سنگھ نے کہا کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں لیکن گرفتار دہشت گرد مسلمان ہی ہوتے ہیں" یہ الزام انھوں نے پہلی بار نہیں لگایا بلکہ سب سے پہلے بی جے پی لیڈر کرشن ایڈوانی نے لگایا تھا ہم ان سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ یہ پرگیہ ٹھاکر، کرنل پروہت اور اسیمانند جوشی وغیرہ دہشت گردی میں کیوں گرفتار ہوئے، کیا یہ اور ان جیسے دیگر دہشت گرد سب مسلمان تھے؟ ان سوالات پر بھی حکومت ہند اور عدلیہ کو غور کرنا چاہیے۔

از: رحمت اللہ مصباحی

(نمائندہ روزنامہ انقلاب، بنارس)

فکر و نظر

طلاقِ ثلاثہ قرآن و حدیث کی روشنی میں

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔از: مبارک حسین مصباحی

دسمبر ۲۰۱۷ء کا عنوان	سیرتِ طیبہ کا متصوفانہ پہلو
جنوری ۲۰۱۷ء کا عنوان	سوشل میڈیا اور ہماری ذمہ داریاں

بیک نشست تین طلاق کی ممانعت اس کے وقوع کے مانع نہیں

از: مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ دار العلوم غریب نواز، داہوگنج، کشی نگر

گزشتہ چند مہینوں سے میڈیا میں طلاق ثلاثہ کے حوالے سے بڑی گرما گرم بحثیں چلیں، مسلم خواتین سے ہمدردی کے نام پر بھگوا نظریات کے حامل نام نہاد دانش وروں نے طلاق ثلثہ کو عورتوں پر کھلا ظلم قرار دینے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا، تعصب کے اندھیروں میں بھٹکنے والے بی جے پی کے زر خرید اینکرس (anchors) نے گلا پھاڑ پھاڑ کر زہر افشانی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، اسی درمیان اس مسئلے پر سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد گویا نیوز چینلوں کی عید ہو گئی، اور نئے نئے عنوانات کے ساتھ اسلام کے قانونِ طلاق و حلالہ کا کھلے عام مذاق اڑایا گیا، سپریم کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد ہندوستانی نیوز چینلوں نے کچھ حواس باختہ با حجاب خواتین (جو غیر مسلم بھی ہو سکتی ہیں) کو جشن مناتے اور مٹھائی تقسیم کرتے دکھایا، اور اسی ایک منظر کو ہر چینل پر بار بار دکھا کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ مسلم خواتین بھی اس اسلامی قانون سے بیزار ہیں، اور سپریم کورٹ کے فیصلے سے انہیں بے پناہ مسرت ہوئی ہے۔اس کے برخلاف ان ہزاروں خواتین کے احتجاج کو نیوز چینلوں نے بالکل کوریج (Coverage) نہیں دیا جو طلاق ثلثہ کے اسلامی قانون کو اپنے لیے باعث رحمت سمجھ کر اس میں کسی قسم کی تبدیلی کو برداشت نہ کرنے کا برملا اعلان کر رہی تھیں، اور اس فیصلے کو اسلامی قانون کی صریح مخالفت قرار دے رہی تھیں۔ہندوستان جیسے کثیر المذاہب والے جمہوری ملک کے لیے جہاں کے ہر باشندے کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا آئینی اور دستوری حق حاصل ہے، یقیناً یہ ایک المناک سانحہ ہے، یہ نہ صرف یہ کہ مسلم پرسنل لا پر حملہ بلکہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ہندوستان کی جمہوریت کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی ایک مذموم کوشش ہے۔

ایک نشست میں دی جانے والی تین طلاق کو ایک ہی طلاق قرار دینے والے نام نہاد مفکرین نے جن کو اسلامی شریعت اور نکاح وطلاق کے قوانین سے ادنیٰ آشنائی بھی نہیں، بڑی بے باکی کے ساتھ بلند بانگ دعوے کیے، کسی نے طلاق ثلثہ کو قرآن کے خلاف کہا تو کسی نے احادیث سے تین طلاق کو ایک طلاق ثابت کرنے کی کوشش کی، سپریم کورٹ نے بھی اپنے فیصلے میں کہا کہ طلاق ثلاثہ خواتین کی مساوات کے حقوق کی خلاف ورزی ہے جسٹس جوزف نے کہا: "تین طلاق اسلام کا لازمی حصہ نہیں ہے اور اس روایت کو آئین کے آرٹیکل ۲۵ (بنیادی حقوق سے متعلق قانون) کا تحفظ حاصل نہیں ہے۔لہٰذا اسے ختم کرنا چاہیے"۔

طلاق ثلثہ پر اظہار خیال کرنے والوں کے ذہن و دماغ میں یہ بات ہمیشہ محفوظ رہنی چاہیے کہ ایک نشست میں دی گئی تین طلاق

کے تین ہی ہونے کا نظریہ اختراعی یا شخصی نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث کی تصریحات وتشریحات کے عین مطابق، صحابہ کرام کا مجمع علیہ، ائمہ کا اربعہ متفق مسئلہ ہے جس پر چودہ سوسال سے زئد عرصہ سے اہل حق اور عامہ مسلمین عمل پیرا ہیں۔ ایسے مسئلہ پر رائے زنی کرنے اور صنف نازک کی مفروضہ مظلومیت کو بنیاد بناکر علماے اسلام پر طعن وتشنیع کا بازار گرم کرنے سے قبل یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اسلامی قوانین کسی انسان کے مرتب کردہ نہیں ہیں، بلکہ ان کا اصل ماخذ وحی الٰہی ہے، جس کی تشریح وتوضیح سرور کائنات ﷺ کی احادیث سے ہوتی ہے۔ یہ قوانین فطرت کے عین مطابق اور تمام انسانی طبقات کے حقوق کے محافظ ہیں۔ دیگر اسلامی قوانین کی طرح اسلام کا ضابطہ طلاق بھی ان ناسازگار حالات میں زوجین کے لیے باعث رحمت ہوتا ہے جب آپسی اختلاف وانتشار عروج کو پہنچ جائے، ناموافقت ونامساعدت کی انتہا ہو جائے، زوجین ایک دوسرے کے لیے عذاب بن کر رہ جائیں اور اصلاح احوال کی کوئی صورت کارگر نہ ہو، تو ایسے حالات میں اسلام کا ضابطہ طلاق اور قانون فسخ نکاح ایک دوسرے کے لیے گلوخلاصی اور جاں بخشی کا آخری ذریعہ ہوتا ہے۔ کش مکش کے ان ناگزیر حالات میں بھی اسلام نے یک لخت رشتہ نکاح کو تار تار کرنے کی اجازت نہیں دی بلکہ پہلی اور دوسری طلاق کو رجعی قرار دے کر تدریج کے اصول کو ملحوظ رکھا، مفاہمت کی صورت نکلنے پر دوبارہ بغیر کسی مزاحمت کے قدیم رشتے کو بحال کرنے کا آپشن دیا، آخری مرحلے میں تیسری طلاق کے ذریعہ الگ الگ راہیں متعیّن کرنے اور اپنے اپنے طور پر زندگی گزارنے کی جازت مرحمت فرمائی۔ ان ساری پابندیوں کے بعد بھی شریعت اسلامیہ طلاق کو مباح چیزوں سب سے ناپسندید چیز قرار دے کر انسانی رشتوں کی حفاظت اور نکاح کی عظمت وفضیلت کا اسلامی نظریہ واضح کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا نظریہ طلاق بہت واضح اور دور رس نتائج کا حامل ہے۔ اس کے باجود حقائق کو نظر انداز کرکے اسلام کے ضابطہ طلاق پر ہی سوالیہ نشان لگادینا اور اسے بحث ومباحثے کی مجلسوں سے کورٹ کے ایوان تک پہنچانا خالص عصبیت اور اسلامی قوانین کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی ایک نہایت ہی مذموم کوشش ہے۔

ہم نے اس مختصر مضمون میں طلاق ثلثہ یعنی ایک نشست میں دی جانے والی تین طلاق تین ہی ہوتی ہے، کے اسلامی نظریہ کو قرآن وحدیث کے حوالوں سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ میڈیا کی زہر افشانیوں اور سپریم کورٹ کے حالیہ فیصلے کے ضمن میں کیے گئے ججوں کے غیر واقعی تبصروں کی وجہ سے شکوک وشبہات سے آلودہ ہونے والے ذہنوں سے یہ آلودگی دور ہو اور طلاق ثلثہ کے حوالے سے اسلامی نقطہ نظر ہر فرد کے دل ودماغ میں مکمل طور پر جاگزیں ہوجائے۔

اللہ جل شانہ اپنے مقدس کلام میں ارشاد فرماتا ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَٰنٍ ۔(البقرہ :۲۲۹)

یہ طلاق دوبار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نکوئی (اچھے سلوک) کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔(کنزالایمان)

امام ابوبکر احمد الرازی الجصاص ــــــ مذکورہ آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قوله تعالیٰ: الطلا ق مرتا ن فا مسا ك بمعروف اوتسريح باحسا ن " يدل علیٰ وقوع الثلاث معاً مع كونه منهيا عنها .(احكام القر آ ن للجصا ص :ج: ۱ :ص:۵۲۷ :ذكر الحجاج لايقاع الثلاث معا)

یعنی اللہ تعالیٰ کا مذکورہ فرمان (الطلاق مرتان الخ) منہی عنہ ہونے کے باجود ایک ساتھ تین طلاق کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔

امام ابوعبداللہ محمد ابن احمد الانصاری القرطبی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قال علما ئنا واتفق ائمة الفتوىٰ علیٰ لزوم ايقاع الطلا ق الثلا ث فی كلمة واحدة.

(الجا مع لاحكا م القر آن للقرطبی :ج:۱ :ص:۶۹۲)

ترجمہ: ہمارے علمانے فرمایا کہ ائمہ فتویٰ ایک کلمہ سے تین طلاق کے وقوع پر متفق ہیں۔

یہاں یہ شبہہ بے جا ہوگا کہ اس آیت مبارکہ میں مرتان کا لفظ مستعمل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دو طلاق دو نشست میں دی جائے، پھر تیسری طلاق تیسری نشست میں دی جائے تب تین طلاقیں واقع ہوں گی، لہذا اس آیت سے ایک نشست میں تین طلاق کے ثبوت پر

استدلال درست نہیں ہوگا۔ یہ شبہہ اس لیے درست نہیں ہے کہ آیت مبارکہ میں "مرتٰن" بمعنی "اثنتان" ہے یعنی طلاق (رجعی) دوبار دینی ہے۔ دو نشستوں میں نہیں۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وھذا یدل علی أن معنی مرتان إثنتان

(روح المعانی ج2 ص135)

اللہ تعالیٰ نے طلاق ثلاثہ کے بارے ارشاد فرمایا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ.(بقرة:٢٣٠)

ترجمہ: پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی، جب تک دوسری خاوند کے پاس نہ رہے۔(کنزالایمان)

مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

اِنْ طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ۔(السنن الکبری للبیھقی ج٧ص٣٧٦ باب نکاح المطلقة ثلاثا)

اگر تین طلاق دے دی تو بیوی اس کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔(یعنی اگر کسی نے تین طلاق دے دی تینوں واقع ہوجائیں گی اور بیوی اس پر حرام ہوجائے گی۔)

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَالْقُرْآنُ يَدُلّ_وَاللهُ اَعْلَمُ _عَلٰى اَنَّ مَنْ طَلَّقَ زَوْجَةً لَّهُ دَخَلَ بِهَا اَوْلَمْ يَدْخُلْ بِهَاثَلَاثًالَمْ تَحِلَّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ.(کتاب الام للامام محمد بن ادریس الشافعی ج٢ص١٩٣٩)

ترجمہ: اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ قرآن پاک کی مذکورہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جس نے اپنی مدخولہ یا غیر مدخولہ بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرلے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا استدلال فان طلقہا کے عموم سے ہے، کیوں کہ فان طلقھا صیغہ شرط ہے جو عموم کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا اس کے عموم میں ایک مجلس کی تین طلاقیں بھی شامل ہوں گی۔

ابن حزم ظاہری نے بھی مذکورہ آیت کے تحت اسی مفہوم کو ان الفاظ میں تحریر کیا ہے:

فَهٰذا يَقَعُ عَلَى الثَّلاثِ مَجْمُوْعَةومفرقةولايَجُوزُ أن يخص بِهٰذه الآيةِ بعض ذٰلِكَ دُوْنَ بَعْضِ بِغَيْرِ نِصّ .(المحلی، ج١٠، ص٢٠٧)

یعنی فان طلقہا کا لفظ ان تین طلاقوں پر بھی صادق آتا ہے جو اکٹھی دی گئی ہوں اور ان پر بھی جو الگ الگ دی گئی ہوں اور بغیر کسی نص کے اس آیت کو خاص کسی ایک قسم کی طلاق پر محمول کرنا درست نہیں ہے۔

مذکورہ آیات اور ان کی معتبر تفاسیر سے یہ بات مکمل طور پر پایہ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی ہیں، تین طلاق کو ایک قرار دینا نص قرآنی کے خلاف ہے، بلاشبہہ اس قدر صراحت کے باجود یہ کہنا کہ طلاق ثلاثہ کا مسئلہ قرآن میں مذکور نہیں یا تو نری جہالت ہے یا کھلی عصبیت۔

بیک نشست میں تین طلاق کا ثبوت احادیث کی روشنی میں: صحیح بخاری شریف کی روایت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ أَتَحِلُّ لِلْأَوَّلِ قَالَ لَا حَتَّى يَذُوقَ عُسَيْلَتَهَا كَمَا ذَاقَ الْأَوَّلُ .(صحیح بخاری ج٢ ص٧٩١ باب من اجاز طلاق الثلاث)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک صاحب نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی تھی۔ ان کی بیوی نے دوسری شادی کر لی، پھر دوسرے شوہر نے (ہمبستری سے پہلے) انہیں طلاق دے دی۔ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ کیا پہلا شوہر اب ان کے لیے حلال ہے؟ سرکار ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، یہاں تک کہ وہ یعنی شوہر ثانی اس کا مزہ چکھے جیسا کہ پہلے نے مزہ چکھا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فالتمسك بظاهره قوله طلقها ثلاثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة.(فتح الباری لا بن حجر :ج:٩ ص:٤٥٥ باب من جوز الطلاق الثلاث)

ترجمہ:اس روایت کے ظاہری الفاظ یعنی فطلقہا ثلاثاً سے استدلال کیا گیا ہے کیوں کہ یہ الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اس نے تین طلاقیں ایک ساتھ دی تھیں۔

بخاری ،مسلم ، ترمذی ابو داؤد ، سنن نسائی اور دیگر کتب صحاح میں یہ روایت موجود ہے:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ اَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَاعِدِيَّ اَخْبَرَهُ...قَالَ عُوَيْمِرُرضی الله عنه كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَارَسُوْلَ اللهِ ﷺ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلاَ ثًا قَبْلَ اَنْ يَّاْمُرَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ(وَفِيْ رِوَايَةِ ابی داؤد رحمه الله): قَالَ فَطَلَّقَهَاثَلاَثَ تَطْلِيْقَاتٍ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاَنْفَذَ هُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ.(صحیح البخاری ج۲ص۷۹۱ باب من اجاز اطلاق الثلاث،صحیح مسلم، ج۱ ، ص:۴۸۸، ۴۸۹ : کتاب اللعا ن)

ابن شہاب سے روایت ہے کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خبر دی کہ حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یارسول اللہ ﷺ !اگر میں اس کو اپنے پاس روکوں اور بیوی بناکر رکھوں تو میں نے پھر اس پر جھوٹ کہا پھر اس نے آپ ﷺ کے حکم صادر فرمانے سے پہلے ہی اس کو تین طلاقیں دے دیں۔(سنن ابی داود کی روایت میں ہے کہ) حضرت عویمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ ﷺ کے پاس تین طلاقیں دیں تو آپ ﷺ نے ان کو نافذ کر دیا۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں اکٹھی واقع ہو سکتی ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے اس پر کوئی انکار نہیں فرمایا۔ چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ مُحَرَّمًا لَنَهَاهُ عَنْهُ. وَقَالَ : إِنَّ الطَّلاَقَ وَإِنْ لَزِمَكَ فَأَنْتَ عَاصٍ بِأَنْ تَجْمَعَ ثَلاَثًا.(السنن الکبری للبیهقی ج7 ص329 باب الاختیار للزوج ان لا یطلق الا واحد)

سنن نسائی شریف کی روایت ہے:

عن وهب قال اخبرنا مخرمةعن ابيه قال سمعت محمود بن لبيد قال اخبر رسول الله ﷺ عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعاً فقام غضباناً ثم قال أيلعب بكتا ب الله وانا بين ظهركم حتیٰ قام رجل وقال يا رسول الله ﷺ أقتله ".(السنن النسائی ،ج:۲، ص:۹۹، الثلاث المجموعة وما فيه من التغليظ)

ترجمہ:محمود بن لبید سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیدی ہیں۔ آپ نے غضب ناک ہوکر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جارہا ہے، حالانکہ میں تمھارے درمیان موجود ہوں، سرکار ﷺ کی سخت ناراضگی دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہوگئے اور عرض کیا:یارسول اللہ !کیا اسے قتل نہ کردوں۔

اس روایت میں تین طلاقوں کا ذکر تو موجود ہے لیکن اس پر سرکار اقدس ﷺ کا رد موجود نہیں ہے۔اگر آپ اس کورد فرماتے تو حدیث میں ذکر ضرور موجود ہوتا۔دوسری بات یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کا غضناک ہونا بھی وقوع طلاق کی مستقل دلیل ہے۔

دارقطنی ،سنن الکبریٰ اور مجمع الزوائد وغیرہ کتب حدیث میں یہ روایت بھی مسئلہ دائرہ پر واضح دلیل ہے:

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ نَاعَبْدُاللهِ بْنُ عُمَرَرَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا أنه طلق امرأته تطليقة وهي حائض ثم أراد أن يتبعها بتطليقتين أخراو ين عند القرئين فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال : يا بن عمر ما هكذا أمرك الله إنك قد أخطأت السنة والسنة أن تستقبل الطهر فيطلق لكل قروء قال فأمرني رسول الله ﷺ فراجعتها ثم قال إذا هي طهرت فطلق عند ذلك أو أمسك فقلت يا رسول الله رأيت لو أني طلقتها ثلاثا أكان يحل لي أن أراجعها قال لا كانت تبين منك وتكون معصية (سنن الدارقطنی ص652حدیث نمبر۳۹۲۹ کتاب الطلاق و الخلع و الطلاق، السنن الکبریٰ للبیهقی :ج:۷ :ص:۳۳٤: کتاب الخلع والطلاق، باب ما جا ء فی امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعا ت)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو ایک طلاق دے دی پھر ارادہ کیا کہ باقی دو طلاقیں بھی بقیہ دو حیض(یا طہر) کے وقت دے دیں۔ رسول اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا:"تجھے

اللہ تعالیٰ نے اس طرح توحکم نہیں دیا تونے سنت کی خلاف ورزی کی ہے، سنت تو یہ ہے کہ جب طہر (پاکی) کا زمانہ آئے تو ہر طہر کے وقت اس کو طلاق دے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ تو رجوع کرلے! چنانچہ میں نے رجوع کرلیا پھر آپ نے مجھ سے فرمایا: ’’جب وہ طہر کے زمانہ میں داخل ہو تو اس کو طلاق دے دینا اور مرضی ہو تو بیوی بنا کر رکھ لینا۔‘‘ اس پر میں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! یہ تو بتلائیں کہ اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے حلال ہوتا کہ میں اس کی طرف رجوع کرلیتا؟ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’نہیں وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور یہ (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔

عَنْ مُجَاهِدٍ قَالَ : كُنْتُ عِنْدَ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا فَجَاءَهُ رَجُلٌ فَقَالَ : إِنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاَثًا قَالَ فَسَكَتَ حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ رَادُّهَا إِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ : يَنْطَلِقُ أَحَدُكُمْ فَيَرْكَبُ الْحُمُوقَةَ ثُمَّ يَقُولُ : يَا ابْنَ عَبَّاسٍ يَا ابْنَ عَبَّاسٍ وَإِنَّ اللّٰهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ قَالَ (وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا) وَإِنَّكَ لَمْ تَتَّقِ اللّٰهَ فَلاَ أَجِدُ لَكَ مَخْرَجًا عَصَيْتَ رَبَّكَ وَبَانَتْ مِنْكَ امْرَأَتُكَ وَإِنَّ اللّٰهَ قَالَ (يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ) فِي قُبُلِ عِدَّتِهِنَّ هَكَذَا فِي هَذِهِ الرِّوَايَةِ ثَلاَثًا. (سنن ابی داؤد ج:١/ ٢٩٩)

مجاہد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں (کیا حکم ہے) حضرت ابن عباس نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش ہو گئے (مجاہد کہتے ہیں) مجھے گمان ہونے لگا کہ شاید ابن عباس اس کی بیوی کو واپس لوٹانے والے ہیں پھر ابن عباس نے فرمایا: کہ تم میں سے بعض لوگ ایسے ہیں کہ ان پر حماقت سوار ہوتی ہے، پھر میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے یا ابن عباس یا ابن عباس جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لئے راستہ نکالتا ہے اور تو اللہ تعالیٰ سے ڈرا نہیں (اور بیک وقت تین طلاقیں دیدی) اس لئے قرآن کے مطابق تمھارے لیے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے خدا کی نافرمانی کی ہے اور تمھاری بیوی تم پر حرام ہوگئی ہے اور تم سے جدا ہو گئی۔

مذکورہ احادیث مبارکہ سے بھی عیاں ہے کہ مجلس واحد میں دی گئی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں، ایک ساتھ تین طلاقیں دینا شرعی نقطہ نظر سے اگرچہ مبغوض وممنوع ہے، احادیث میں اس سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، لیکن ممانعت شرعی اس کے وقوع سے مانع نہیں۔ شریعت کا یہ قانون تمام مسلمانوں کے لیے واجب العمل ہے، اس کا تعلق کسی دنیاوی معاملے سے نہیں جس میں کسی طرح مصالحت کی گنجائش ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو احکام شرعیہ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بیک نشست تین طلاق کا انکار عقل وشرع کے خلاف

از: مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی۔ نوری دارالافتاء سنی جامع مسجد کوٹر گیٹ بھیونڈی

اللّٰہ تبارک و تعالیٰ نے کائنات کو پیدا فرمایا اور نوع انسان کو ’’لقد کرمنا بنی آدم‘‘ کے مقدس خطاب سے نواز کر ’’اشرف المخلوقات‘‘ کے عظیم لقب سے بھی ملقب ہونے کی سعادت بخشی اور کاروبار حیات کو نظام اعتدال پر باقی رکھنے کے لیے ’’قرآن کریم‘‘ کی صورت میں قانون انسانیت کا ایک عظیم انسائیکلوپیڈیا عطا فرمایا جس میں حیات بشری کے تمام تر تقاضوں کے پیش نظر عبادت و ریاضت کے آداب، حلت و حرمت کے قوانین، طہارت و نجاست کے اصول، اباحت وعدم اباحت کے طریقوں کا جامع بیان ہے۔

اسلام کا اولین ماخذ قرآن کریم ہے، لیکن اس کی تفسیر و تفہیم احادیث کریمہ کے بغیر اور ان کی تشریح و توضیح آثار صحابہ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس طرح قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث رسول اور آثار صحابہ کو بھی قانون اسلام کا لازمی درجہ حاصل ہے اور اسلامی دستور اور مقاصد شریعت کی صحیح تفہیم و تعبیر کے لیے ان کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

طلاق ایک اسلامی قانون ہے، جس کا ذکر قرآن و حدیث میں

موجود ہے، لیکن اس کے ذکر کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث میں اس کی مذمت بھی بیان کی گئی ہے۔ چناں چہ حدیث پاک میں ہے:

"ابغض الحلال الی اللہ تعالیٰ الطلاق"

(سنن ابو داؤد رقم الحدیث ۲۱۷۸)

یعنی تمام جائز چیزوں میں سب سے بری چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے اور دوسری حدیث میں ہے:

"اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ چیز پیدا نہ کی۔" (سنن دارقطنی)

مسند امام احمد بن حنبل کے حوالے سے بہار شریعت ہشتم، ص: ۱۰۸ میں ہے:

"حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے اور اپنے لشکر کو بھیجتا ہے اور سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے، جس کا فتنہ بڑا ہوتا ہے۔ ان میں ایک آکر کہتا ہے، میں نے یہ کیا، ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا۔ دوسرا آتا ہے اور کہتا ہے: میں نے مرد اور عورت میں جدائی ڈال دی۔ اسے قریب کر لیتا ہے اور کہتا ہے، ہاں تو ہے"۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت اپنے شوہر سے بلاوجہ شرعی طلاق کا مطالبہ نہ کرے ورنہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گی، جب کہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کی دوری سے محسوس کی جائے گی۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق رقم الحدیث ۲۰۵۴)

امام نسائی نے محمود بن لبید رحمہ اللہ علیہ سے روایت کیا ہے، فر ماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاقیں اکھٹی دیں، آپ ﷺ غصہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور فر مایا: کیا اللہ کی کتاب سے مزاح کیا جاتا ہے جب کہ میں ابھی تمھارے درمیان موجود ہوں حتی کہ ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا میں اسے قتل نہ کر دوں۔

امام بیہقی نے رافع بن صہبان رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ایک شخص عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ عمران نے فرمایا: اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس پر اس کی بیوی حرام ہوگئی ہے، وہ شخص چلا گیا اور ابو موسی کے سامنے ذکر کیا آپ نہیں دیکھتے کہ عمران بن حصین نے ایسا فتویٰ دیا ہے وہ شخص حضرت عمران کا عیب بیان کرنا چاہتا تھا ابو موسی نے کہا اللہ اکبر ابو نجید کی مثل فتویٰ ہے۔ (تفسیر در منثور ۱/۲۹/۷)

زوجین کی ازدواجی زندگی ناخوشگوار ہو جائے تو فوراً طلاق دینے کا حکم نہیں ہے بلکہ حالات کو خوشگوار بنانے کے لیے قرآن کریم نے مختلف تدابیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے کہ تعلقات بہتر نہ ہوں تو شوہر زجراً پہلے اپنا بستر بیوی سے الگ کر لے، ایک ساتھ نہ سوئے، اگر اس سے تعلقات خوشگوار نہ ہوں تو بطور تادیب ہلکی پھلکی پٹائی کرے، یہ بھی کار آمد ثابت نہ ہو، تو بیوی کے گھر والوں کو بلائیں اور وہ سمجھائیں۔ سارے تدابیر ناکام ہو جائیں تب طلاق دے وہ بھی ایک طلاق پھر کچھ دنوں تک انتظار کرے اگر حالات بہتر ہو جائیں تو بہتر ورنہ پھر طلاق دے۔

سورۂ نساء (آیت: ۳۵،۳۴) میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اصلاحِ حیات کا طریقہ ارشاد فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:

"جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ (اگر سمجھ جائے تو بہتر ہے) اور (اگر نہ سمجھے تو) ان سے الگ سوؤ (یعنی سونے کا اپنا بستر الگ کر لو تم الگ سوؤ اور وہ بھی الگ سوئے) اور (اگر اس سے بھی بیوی فرماں بردار نہیں ہوتی ہے تو) انہیں مارو (مگر ہلکی پھلکی) پھر اگر وہ تمھارے حکم میں آجائیں (اطاعت کرنے لگے) تو ان پر زیادتی کی کوئی راہ نہ چاہو، (ان کو طلاق دے کر الگ مت کرو، کیوں کہ بلاوجہ طلاق دے کر الگ کرنا ظلم ہے) بے شک اللہ بلند بڑا ہے۔ اگر تم کو میاں بی بی کے جھگڑے کا خوف ہو (اور صلح کا مذکورہ طریقہ کارآمد نہ ہو، صبح و شام زندگی اختلاف وانتشار کی نذر ہو جائے) تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی طرف سے یہ دونوں اگر صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا، بے شک اللہ جاننے والا خبر دار ہے۔ (کنز الایمان، ص: ۱۵۰/۱۵۱)

اگر اصلاح کے تمام طریقے ناکام ہو جائیں اور نظام حیات عذاب جاں بن جائے، زوجین کا ایک ساتھ زندگی گذارنا مشکل سے مشکل ترین ہو جائے تو اب اجازت ہے کہ شوہر طلاق دے تاکہ زوجین آزاد ہو کر اپنی مرضی اور خوشی کے مطابق زندگی گزار سکے مگر اب بھی ایک

ساتھ تینوں طلاقیں دینا منع ہے، بلکہ حکم ہے کہ پہلے ایک طلاق رجعی یا دو طلاق رجعی دے یہ دونوں طلاق دینے کے بعد اگر حالات بہتر ہوں تو نکاح میں لوٹالیں ورنہ پھر آزاد چھوڑدیں۔ قرآن کریم میں ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوفٍ أَوۡ تَسۡرِيحٌۢ بِإِحۡسَانٍ.

(البقرہ ۲۲۹)

ترجمہ: ”طلاق (جس کے بعد رجعت ہوسکے) دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا،،

اسلامی ہدایات و تعلیمات میں طریقۂ طلاق یہ ہے کہ طہر (پاکی) کے زمانے میں ہم بستری سے پہلے ایک طلاق دے پھر ایک ماہ انتظار کرے۔ اگر ازدواجی زندگی میں بہتری آئے اور دونوں ایک ساتھ رہنے پر راضی ہو جائیں تو ایک طلاق کے بعد شوہر بیوی کو نکاح میں واپس کر لے اور اگر ایک ماہ میں بھی تعلقات خوشگوار نہ ہوں، دونوں ایک دوسرے کے لیے اب بھی سخت رویہ رکھتے ہوں تو پھر دوسرے طہر میں ہم بستری سے پہلے دوسری طلاق دے، پھر انتظار کرے، اگر حالات بہتر ہو جائیں اور ایک ساتھ زندگی گذر بسر کی صورت نکل آئے تو دو طلاق کے بعد بھی اجازت ہے کہ بیوی کو نکاح میں لوٹالے۔ اور اگر تیسرے طہر میں تقریباً ساٹھ دنوں کے بعد اور دو طلاق دینے کے بعد بھی حالات بہتر نہ ہوں تو اب تیسرے طہر میں تیسری طلاق دیدے۔ اسے قرآن کریم نے اوتسریح باحسان کہا ہے۔

طلاق کے مذکورہ طریقوں کے برخلاف اگر کسی شخص نے تینوں طلاقیں ایک ساتھ دے دیں تو تینوں واقع ہو جائیں گی۔ ایک مجلس میں تین طلاق کے تین واقع ہونے پر صرف جمہور صحابہ و تابعین وائمہ کرام کا ہی اجماع نہیں بلکہ اس پر قرآن کریم اور احادیث رسول بھی شاہد ہیں۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے ”طلاق (رجعی) دو بار تک ہے، پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکوئی (اچھے سلوک) کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ (البقرۃ:۲۲۹/کنزالایمان)

پھر فرماتا ہے ”پھر اگر تیسری طلاق اسے دی تو اب وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے۔ پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ عزوجل کی حدیں نبھائیں گے، اور یہ اللہ عزوجل کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے،،۔ (البقرۃ:۲۳۰/کنزالایمان)

تفسیر در منثور میں ہے:

امام عبد بن حمید نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔ فرماتے ہیں اس آیت میں تیسری طلاق کا ذکر ہے اور تیسری طلاق کی اللہ تعالیٰ نے یہ سزا مقرر فرمائی کہ وہ عورت اس کے لیے حلال نہیں حتی کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرلے۔ امام ابن منذر نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ فان طلقھا تیسری طلاق ہے۔

بے شمار احادیث مبارکہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ تین طلاقیں تین ہی قرار پائیں گی۔ چناں چہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ 'صحیح بخاری' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ”ایک مرد نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دیں تو اس نے دوسرے شخص سے نکاح کرلیا تو اس نے بھی طلاق دے دی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا یہ پہلے شخص کے لیے حلال ہے؟ سرکار علیہ السلام نے فرمایا نہیں، جب تک کہ دوسرا خاوند پہلے خاوند کی طرح اس کی مٹھاس نہ چکھ لے۔

(صحیح البخاری، رقم الحدیث، ۵۲۶۱)

بخاری شریف کی ایک دوسری حدیث میں ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رفاعۃ القرظی کی بیوی رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کی کہ میں رفاعہ کے عقد نکاح میں تھی، اس نے مجھے طلاق دے دی ہے (یعنی تین طلاق دے دیں) پھر مجھ سے عبد الرحمن بن زبیر نے نکاح کیا، اس کے پاس کپڑے کے پلو کی طرح ہے (یعنی وہ نامرد ہے)۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو رفاعہ کے پاس لوٹنا چاہتی ہے (ایسا نہیں ہوگا) حتیٰ کہ تو اس کا مزہ چکھ لے اور وہ تیرا مزہ چکھ لے۔“ (بخاری، رقم الحدیث، ۵۲۶۰)

سنن ابن ماجہ میں ہے:

حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو زمانۂ رسالت میں ایک موقع پر تین طلاقیں دیدیں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کی بیوی کو ان سے جدا کر دیا۔ چناں چہ عامر شعبی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا، میں نے فاطمہ بنت قیس سے کہا کہ آپ مجھے اپنی طلاق کا واقعہ بتائیں۔ انہوں نے بتلایا کہ میرے شوہر نے یمن جاتے وقت مجھے تین طلاقیں دے دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جائز رکھا۔

(ابن ماجہ باب من طلق ثلاثا فی مجلس واحد ص ۳۶۴)

تفسیر در منثور میں ہے:

امام ابن المنذر نے حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عتیک النضری کے متعلق نازل ہوئی، وہ اپنے چچازاد بھائی رفاعہ بن وہب بن عتیک کے نکاح میں تھی۔اس نے اسے تین طلاقیں دے دی۔اس نے بعد میں حضرت عبدالرحمن بن زبیر القرظی رحمہ اللہ سے نکاح کرلیا، پھراس نے بھی اسے طلاق دے دی۔وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ عبدالرحمن نے مجھے چھونے سے پہلے طلاق دے دی ہے، کیااب میں پہلے خاوند (رفاعہ) سے نکاح کرسکتی ہوں؟آپ ﷺ نے فرمایانہیں حتی کہ وہ (تجھ سے) جماع کرلے۔وہ ٹھہری رہی جتنااللہ تعالیٰ نے چاہا۔پھروہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ اس نے مجھ سے جماع کرلیاہے، آپ ﷺ نے فرمایاتونے اپنے پہلے قول کے ساتھ جھوٹ بولاتھا۔پس میں تیرے قول کی تصدیق نہیں کرتا،وہ ٹھہری رہی حتی کہ نبی ﷺ کاوصال ہوگیاوہ عورت حضرت ابوبکر کے پاس آئی اور کہاکہ مجھ سے دوسرے خاوند نے جماع کرلیاہے کیااب میں پہلے خاوند کی طرف لوٹ جاؤں۔حضرت ابوبکر نے فرمایامیں اس وقت نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں موجود تھا۔جب آپ ﷺ نے تجھے کہاتھاکہ تواس کے پاس واپس نہ جا،جب ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے،تووہ حضرت عمر کے پاس آئی توحضرت عمر نے اسے کہااگر تودوبارہ میرے پاس آئی تومیں تجھے رجم کروں گا،پس آپ نے بھی اسے منع فرمایا۔پس اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی،یعنی دوسراخاوندوطی کرنے کے بعد طلاق دے توپھرپہلے خاوند کی طرف لوٹ سکتی ہے۔

(تفسیر در منثورج ۱/ ۳۰۷/ ۳۱۷/جامع ترمذی کتاب النکاح)

حضرت عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں ایک طلاق دی پھرعرض کی یارسول اللہ کیاتین طلاق دینے کے بعدرجعت کرسکتاہوں توحضور ﷺ نے فرمایاتین طلاق دینے کے بعد تمھاری بیوی تمھارے لیے حرام ہوجائے گی اور تین طلاق دیناگناہ بھی ہے۔(مجمع الزوائد جلد ۴ صفحہ ۳۳۶)

امام شافعی،عبدالرزاق،ابن ابی شیبہ،احمد،بخاری،مسلم،ترمذی، نسائی،ابن ماجہ اور بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیاہے فرماتی ہیں۔رفاعہ القرظی کی بیوی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور عرض کی کہ میں رفاعہ کے عقدنکاح میں تھی۔اس نے مجھے طلاق دے دی (یعنی تین طلاقیں دے دیں) پھرمجھ سے عبدالرحمن بن زبیر نے نکاح کیا۔اس کے پاس کپڑے کی پلوکی طرح ہے (یعنی وہ نامرد)۔رسول اللہ ﷺ (اس کا یہ جملہ سن کر) مسکرائے اور پوچھاکیاتورفاعہ کے پاس لوٹناچاہتی ہے (ایسانہیں ہوگا) حتی کہ تواس کا مزہ چکھ لے اور وہ تیرامزہ چکھ لے۔(مرجع سابق)

فقہ حنفی کی عظیم اسلامی انسائیکلوپیڈیا"فتاویٰ عالمگیری"میں ہے کہ آزاد عورت کوتین طلاق اور باندی کو دو طلاق دے دی گئی تووہ عورت مرد کے لئے اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ دوسراشوہر اس سے نکاح نہ کرلے، پھراس کے ساتھ دخول کرے پھروہ شوہراس عورت کوطلاق دے یااس کاشوہر مرجائے۔ایساہی ہدایہ میں ہے۔
(کتاب الطلاق)

امام نووی شافعی "شرح صحیح مسلم"میں فرماتے ہیں کہ "جوشخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم کوتین طلاق،توامام شافعی،امام مالک،امام ابو حنیفہ،امام احمد اور جمہور علماے سلف وخلف فرماتے ہیں کہ تین طلاق ہی واقع ہوں گی"۔

آیت قرآنی،احادیث رسول اور اجماع ائمہ سے یہ ثابت ہے کہ تین طلاق تین ہی قرار پاتی ہیں،لہٰذااسے تین نہ مانناعقل کے بھی خلاف ہے اور شریعت کے بھی۔

☆☆☆

ماہ نامہ اشرفیہ حاصل کریں

لکھنؤمیں

جناب قاری ذاکرعلی قادری صاحب

مدرسہ حنفیہ ضیاءالقرآن،شاہی مسجد،بڑاچاندگنج،لکھنو(یوپی)

دہلی میں

مولانامحمداقبال رضوی خطیب وامام

C-219/A رضامسجد کے سامنے،گلی نمبر-7

چوہان نگر،دہلی۔موبائل:9811849953

گوشۂ ادب

اقلیمِ نعت کا سفیر

مہتابؔ پیامی

ڈاکٹر یعقوب اختر قادری

علم نفسیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ انسان کو سچ بولنے کے لیے زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لیکن جھوٹ بولنے کے لیے بڑی منصوبہ بندی کرنی پڑتی ہے، اور ہزار جتن کے باوجود جھوٹ سچ نہیں ہوتا۔ رہی بات نعتیہ شاعری کی تو بلا شبہہ نعتیہ شاعری ان موشگافیوں سے مُبرّا و مُنزہ ہے اور جس طرح نعت گوئی کٹھن مرحلہ ہے، ٹھیک اسی طرح کسی نعت گو شاعر کی نعت گوئی پر اظہار خیال بھی خطرے سے خالی نہیں کیوں کہ اس کی تعریف و توصیف یا تنقیص و تنقید پر سہو یا غلو تبصرہ نگار کو خطاکاری اور عقبیٰ کی روسیاہی تک لے جا سکتی ہے، میں نے اس امر کی بھرپور کوشش کی ہے کہ میرے قلم سے کسی طرح کی غیر مدلّل مدّاحی نہ ہو۔

صادق ہوں اپنے قول میں بے شک خدا گواہ
کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

مہتابؔ پیامی کو نہ ہم نے دیکھا نہ سنا اور نہ اُن کے دیوان "اللہ اکبر" کو دیکھا ہے۔ لیکن ماہنامہ اشرفیہ کے زرّیں صفحات پر بکھرے ہوئے ان کے منثور و منظوم نگارشات کو ضرور دیکھا اور پڑھا ہے انھوں نے ماہنامہ اشرفیہ کے صفحات پر وہ گل بوٹے سجائے ہیں جس سے صرف تزئین کاری کا ہی حق ادا نہیں ہوتا بلکہ قاری کا مشام جاں معطر اور ذہن و فکر منور ہو جاتے ہیں اور قاری رنگینیٔ عبارت میں ایسا کھوتا ہے کہ اظہار کے پیرائے کی دل کشی و دل آویزی کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔

اُن کے ادبی شہ پاروں کے مطالعے سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ وہ نازک مزاج، بلند خیال اور مضبوط استدلال۔ شعر و ادب نقد و نظر اور زبان و بیان پر مکمل عبور حاصل ہے۔ وہ جہاں نثر کے تاجدار ہیں وہیں نعتیہ شاعری کے بھی شہریار ہیں۔ اُن کے نعتیہ کلام کے جو نمونے میرے مطالعے میں آئے ہیں، ان سے فکر کی بلندی، شعور کی بیداری، عشق کی سرفرازی، لب و لہجہ کی دلآویزی، نت نئے تعبیروں کی فراوانی، جذبات کی صداقت، بیان کی لطافت، خیال کی ندرت، الفاظ کی شوکت، معانی کی وسعت اور اسلوب کی فنی دست رس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

لگتا ہے کہ شاعری اُن کے مزاج میں داخل اور سخنوری اوڑھنا بچھونا ہے، کیوں کہ نعتیہ شاعری میں فنّی قیود کے ساتھ شرعی اُمور کا برتنا آسان نہیں ہوتا، اس وادی پُرخار سے سلامتی کے ساتھ وہی گزر سکتا ہے جو فن پر مکمل دسترس رکھنے کے ساتھ ساتھ شرعی اسرار و رموز سے بھی بخوبی واقف ہو اور یہ دونوں وصف مہتابؔ پیامی کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ وہ خود بارگہ ایزدی میں دست بدعا ہیں۔

ہو مرے دَم سے زمانے میں اجالا یارب
میرا کردار نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم
تیرے مہتابؔ پیامی کا کوئی کام نہ ہو
حق کی تائید سے کم، بطل کی تردید سے کم

(ماہ نامہ اشرفیہ، اکتوبر ۲۰۱۲، ص:۴۵)

دوسری جگہ یوں کہتے ہیں۔

میں نعت لکھوں مجھ کو وہ معراج ہنر دے
پھر دامنِ الفاظ کو تاثیر سے بھر دے
توصیفِ نبی کے لیے دے نور کا خامہ
اللہ! مری فکر کو جبریل کا پَر دے

(ماہ نامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۱۱، ص:۴۶)

رئیس القلم شہنشاہِ فکر و فن حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ نے سچ فرمایا ہے:

"نعتیہ شاعری صرف ایک فن ہی نہیں بلکہ سعادت مندی اور فیروز مندی کی علامت ہے اور اگر لفظوں میں جذبوں کی سچائی حلول کر جائے تو یہ عشق و ایمان کی معراج ہو جاتی ہے۔"

دیکھیے مہتابؔ پیامی کا نظریہ کیا ہے۔

اپنی قسمت پہ کروں ناز میں جتنا کم ہے
لطف فرما ہے مرے حال پہ آقا میرا

نہ زر و مال نہ اعمال پیامؔی میرے
ان کی اُلفت ہے فقط ایک وسیلہ میرا

(ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۱۰ء،ص:۵۰)

شاعری کا پیمانہ جب عشقِ رسول ﷺ سے لبریز ہوتا ہے تو شعر کا لفظ لفظ عالمِ قدس کی تابانیوں سے معمور ہوتا ہے، آپ بھی پڑھیے اور مشامِ جاں کو عشق وعرفان کی خوشبو سے معطر کیجیے۔

دیکھ لے جو تجھے ایک بار وہ پھر کیا دیکھے
جب جدھر اُٹھے نظر ترا ہی جلوہ دیکھے
کتنا خوش بخت ہے مہتابؔ پیامی وہ شخص
میرے سرکار کا اک بار جو چہرہ دیکھے

(ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۲۰۱۱ء،ص:۴۱)

سرکار دوعالم ﷺ کی شانِ زیبائی، جمالِ جہاں آرا کا تصور، حسرتِ دید میں نگاہوں کا اضطراب، درِ رسول پر حاضری کی تمنّا اور اشارۂ ابرو پر مرمٹنے کا جذبۂ بیکراں نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات ہیں۔ مہتابؔ پیامی نے بڑے دلکش، دلنشیں اور خوبصورت انداز میں عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے جس کا جواب نہیں۔

کون لے آئے جمالِ رُخِ سرور کا جواب
جب کہ ہے خاکِ کفِ پا مہ و اختر کا جواب
اُس چمن زار کے گل بوٹوں کی زیبائی نہ پوچھ
جس چمن زار کے کانٹے ہیں گلِ تر کا جواب
کیوں کہیں اُن کے پسینے کو پسینہ ہم لوگ
کوئی خوشبو نہیں اس آبِ معطّر کا جواب

(ماہنامہ اشرفیہ مئی ۲۰۰۹ء)

"آبِ معطّر" کے والہانہ پن کا جواب ہی نہیں فکر وخیال اس رفعت وعظمت اور طرزِ ادا کی جدّت وندرت پر دنیائے شاعری جس قدر ناز کرے کم ہے۔ آگے دیکھیں۔

مُسکرانے لگے محبوبِ خدا سُن کے سوال
مُشت بوجہل سے آنے لگا کنکر کا جواب
بخش دے فتح کے موقع پہ جو خونِ حمزہ
کہاں کونین میں اس لطفِ مکرر کا جواب
جہل پروردہ بشر کو تھا فصاحت پہ غرور
وہ مگر لا نہ سکا سورۂ کوثر کا جواب

(ماہنامہ اشرفیہ مئی ۲۰۰۹ء)

نعتیہ شاعری کے پاکیزہ موضوعات میں ولادت طیبہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، اکثر شعرا نے اس کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا اور بڑے ایمان افروز اشعار کہے، ممدوح موصوف نے بھی بڑا انوکھا انداز اپنایا ہے۔

آج بعثت میرے حضور کی ہے
شان وشوکت میرے حضور کی ہے
کہکشاں خاکِ پا سے بھی کمتر
کیسی رفعت میرے حضور کی ہے

(ماہنامہ اشرفیہ اگست ۲۰۱۰ء،ص:۴۳)

ان اشعار میں کس قدر سادگی ہے اور اس سادگی میں بلا کا حُسن نمایاں ہے، جذبے کی سچائی کا حُسن، فکر کی بلاغت کا حسن، خیال کی نزاکت کا حسن، تشبیہ کی ندرت کا حسن، استعارات کی جودت کا حسن اور یہی حُسن جب دل کے سوز وگداز کے ساتھ لفظوں کے پیکر میں ڈھلتا ہے تو نعت کے پُرکیف وپُراثر اشعار پڑھنے اور سننے والوں پر وجدانی کیفیت طاری کر دیتے ہیں، آپ بھی پڑھیے کوچۂ جاناں کی پرکیف بہاروں کا نظارہ کیجیے۔

سرکار دو عالم کی الفت سینے میں جو ڈھالی جاتی ہے
جنت کی فضا، جنت کی ہوا، دنیا میں ہی پالی جاتی ہے
ہر نعمت دنیا سے اچھی کہتے ہیں اُسے کہنے والے
اس در سے گدا کے کاسے میں جو بھیک بھی ڈالی جاتی ہے
ملتی ہے بلندی بندوں کو سرکار کے نامِ نامی سے
دنیا کی مصیبت کلمے کی تکرار سے ٹالی جاتی ہے
مچھلی کے شکم سے ملتی ہے کھوئی ہوئی دلکش انگوٹھی
اے بندۂ حق بسم اللہ کی عادت جو بنا لی جاتی ہے

(ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۲۰۱۶ء،ص:۵۲)

مندرجہ بالا ہر شعر میں رمزیت ہے، رمزیت میں وضاحت اور وضاحت میں رمزیت کا کیسا حُسن جلوہ فگن ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ اشعار ذوق وجدان اور عقیدۂ ایمان کی فضاؤں پر راج ہنس کی طرح پرواز کرتے چلے جارہے ہیں۔ کتنی حسین تمنا ہے ذرا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

کہوں ہر جہاں کو خادم، لکھوں تجھ کو سب کا حاکم
تری سلطنت کی باتیں میں یوں ہی مدام لکھوں
تو ہی میرِ میکدہ ہے، ترا ہر کوئی گدا ہے
ترے ہاتھ حوضِ کوثر، میں ہوں تشنہ کام لکھوں

مری عمر اے پیامیؔ کٹے نعت مصطفیٰ میں
جو پسند مصطفیٰ ہے میں وہی کلام لکھوں

(ماہنامہ اشرفیہ فروری ۲۰۰۸ء، ص:۵۰)

دوسرے شعر کے مصرع اولیٰ میں ”میر میکدہ“ اور مصرعِ ثانی میں ”ترے ہاتھ حوض کوثر“ کا ٹکڑا جو حسن و جمال پیدا کر رہا ہے وہ اہل ذوق سے مخفی نہیں، یہ شعر پڑھیے کتنا بلیغ اور کیف آفریں ہے۔

حشر میں دھوپ کے نیزوں کی چبھن دور ہوئی
ابر سمجھا تھا جسے آپ کا داماں نکلا
جب کوئی لفظِ ادب میں نے سجایا لب پر
مدحت سید ابرار کا عنواں نکلا

(ماہنامہ اشرفیہ مئی ۲۰۱۶ء، ص:۴۹)

”دھوپ کے نیزوں کی چبھن“ کس قدر بلیغ تشبیہ ہے یہ کمالِ فن کی روشن دلیل ہے، یہ اشعار بھی پڑھیے، کس قدر منھ بولتا اور حقیقت آمیز خیال ہے۔

چاہیے نذرانہ کچھ بہرِ ملاقات نبی
کون سا منھ لے کے جاؤ گے عبادت کے بغیر
اک حبیب کبریا کی چشم رحمت کے سوا
کون ملتا ہے کسی سے اب ضرورت کے بغیر
فرق ہے نقطے کا ورنہ اصل میں دونوں ہیں ایک
ان کی حاصل ہو محبت کیسے محنت کے بغیر

(ماہنامہ اشرفیہ اگست ۲۰۱۵ء، ص:۵۱)

شاعری کا پیمانہ جب صہبائے عشق رسول سے لبریز ہوتا ہے تو یقیناً ایسے اشعار عالم وجود میں آتے ہیں جو قاری کے ذہن و فکر کو اسیر بنا لیتے ہیں اور قاری اس اسیری سے نجات پانے کے بجائے مزید اس میں غرقاب ہوتا چلا جاتا ہے۔

شُکر کے پھول برستے ہوئے دیکھے لب سے
شکم پاک پہ پتھر کوئی باندھا دیکھے
پی کے اک بار جسے ہو گئی دنیا سرشار
تیرے ہاتھوں میں وہی جام چھلکتا دیکھے
سر کو سجدے میں جھکا دیکھے پلک پر آنسو
لب پہ قرآن کی آیات کو زیبا دیکھے

(ماہنامہ اشرفیہ جنوری ۲۰۱۱ء، ص:۴۱)

انھی موضوعات میں ”در رسول کی حاضری“ کو بھی اہمیت حاصل ہے روضۂ رسول کی زیارت۔ محبوب کی بستی میں زندگی گزارنے کی آرزو، شہر رسول کی نورانی گلیوں اور صحرائے مدینہ کی پُرکیف و پُرنور فضاؤں میں سانس لینے کی خواہش کو تمام شعرانے اپنی شاعری کا محور بنایا ہے، دیکھیے جناب مہتاب پیامی کس والہانہ انداز سے سچائی کا اظہار کرتے ہیں۔

اللہ! مجھے سید ابرار کی خاطر
الفاظ دے جذبات کے اظہار کی خاطر
صحرائے مدینہ کا ہے سودا مرے سر میں
بے تاب ہوں سنگِ در سرکار کی خاطر
مرے دل کی تاریک اُمید کو
مدینے کی روشن فضا چاہیے
جو آئی ہو اُن کی گلی سے یہاں
مری سانس کو وہ ہوا چاہیے

(ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۱۱ء، ص:۴۴)

شیفتگی و وارفتگی جب حد سے تجاوز کرتی ہے تو یوں گویا ہوتے ہیں۔

کوئے محبوب سے آیا ہے بلاوا میرا
دل کسی طور یہاں اب نہیں لگتا میرا
چھوڑ دو اے مرے احباب کہ اب وقت نہیں
رحمتیں دیکھتی ہیں دیر سے رستہ میرا

(ماہنامہ اشرفیہ نومبر ۲۰۱۰ء، ص:۵۰)

مدینہ منورہ کائنات عشق کا مرکز ہے، عرشِ بریں کے قافلے ہوں یا فرشِ زمیں کے کاروانِ شوق، مدینہ سب کے دلوں کی دھڑکن ہے، اس کے ذرّات رشکِ مہ و انجم ہیں، اس کے حُسنِ لمعان پر کہکشاں کا جمال بھی قربان ہے، مدینہ سے وابستگی کا اظہار آقائے نامدار سے عقیدت و محبت کا برملا اظہار ہے۔

دیکھنی ہے تجھ کو جنّت کی بہار
مصطفیٰ کے در پہ جا کر دیکھ لے

(ماہنامہ اشرفیہ اکتوبر ۲۰۱۳ء، ص:۵۳)

جو لطف ملا آنکھوں کو سرور کی گلی میں
کب لطف وہ فردوس کے منظر سے ملا ہے

(ماہنامہ اشرفیہ اگست ۲۰۱۶ء، ص:۴۶)

ممدوح موصوف جہاں درِ رسول سے والہانہ محبت کا اظہار کرتے

ہیں وہیں اس درِ پاک کے ادب و احترام کا بھی درس دیتے ہیں۔

طیبہ کے مسافر سُن تو ذرا ہر وقت ادب ہو پیشِ نظر
جب سامنے جالی آتی ہے تب آنکھ جھکالی جاتی ہے

(ماہنامہ اشرفیہ جولائی ۲۰۱۶ء، ص:۵۲)

شعریت وشریعت کی خوبصورت ہم آہنگی سے ہی نعتیہ شاعری کے خدوخال کا عکسِ جمیل مزیّن ہوتا ہے۔ اور یہ بات بلا جھجک کہی جاسکتی ہے کہ مہتاب پیامی کے اشعار میں ان افکار کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔

پردہ پوشی آپ کے صدقے گنہ گاروں کی ہے
اللہ اللہ لطف کتنا روز و شب ہے آپ کا
جان کے دشمن کو بھی چادر میں دیتے ہیں اَماں
از طرف ربّ جہاں رحمت لقب ہے آپ کا

(ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۱۲ء)

آقا کی معراج جسمانی عقیدۂ سوادِ اعظم ہے، معراج کی نسبت اور دودھ کی غزائیت کو کس فدائیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں ملاحظہ کیجیے۔

دودھ کو حاصل نہ ہو کیوں درجۂ کامل غذا
دودھ ہی اسرا کی شب جب منتخب ہے آپ کا

(ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۱۲ء)

اخیر وقت ہے، جاں کنی کا عالم ہے، حسرت و یاس میں ڈوبی ہوئی التجا کا یہ رنگ و آہنگ بھی دیکھیے۔

آنکھ میں انوارِ اُمید اور کلمہ ہونٹ پر
آقا اس حالت میں بندہ جاں بلب ہے آپ کا

اذعان وایقان کی اس کیفیت پہ قربان جائیے۔

حشر میں دیکھے مجھے چشمِ پریشانی تو کیوں
میرے ہاتھوں میں جو دامانِ سبب ہے آپ کا

(ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۱۲ء)

علامت نگاری ایک پیچیدہ عمل ہے، علامتوں کے انتخاب اور ان کے برتاؤ کے لیے بڑی پختہ کاری، لسانی تجربے اور فنکاری کی ضرورت ہوتی ہے، مہتاب پیامی کی نعتوں میں علامت نگاری کی بہتات ہے وہ اپنے اشعار کو خوبصورت اور پُرکشش بنانے کا خوب خوب ہنر جانتے ہیں اور انداز بالکل مختلف اپناتے ہیں۔

طرز سب سے مختلف گفتار سب سے مختلف
ہے مرے سرکار کا کردار سب سے مختلف
کسب ضو کرتے رہیں گے یونہی خورشید و قمر
ان کی خاکِ پا کے ہیں انوار سب سے مختلف
اِک صحابی کو عطا کی آپ نے شاخ شجر
بن گئی مہتاب وہ تلوار سب سے مختلف

حیرت ہوتی ہے پیامی کے زورِ قلم کی جولانی پر کہ وہ عرفان شوق کی منزل سے اس وقار اور ہنرمندی کے ساتھ گزرتے ہیں کہ طبیعت مچل جاتی ہے اور اہل فکر وفن انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ المختصر جناب مہتاب پیامی نے جس صنف پر طبع آزمائی کی ہے اس کا حق ادا کر دیا ہے، وہ اپنی اس خداداد صلاحیت وعنایات کا اعتراف خود ہی کرتے ہیں۔

پہنچنے کا جہاں تک ہم نے سپنا تک نہ دیکھا تھا
وہ اس منزل کے سارے بند رستے کھول دیتا ہے
مرے فکر و نظر قربان اس کی لب کشائی پر
کہ ہو کر لب کشا وہ راز کتنے کھول دیتا ہے

(ماہنامہ اشرفیہ جون ۲۰۱۶ء، ص:۴۷)

ممدوح موصوف کے کئی حمدیہ کلام بھی اشرفیہ کے صفحات پہ نظر سے گذرے ہیں، حمدیہ اشعار بھی بڑی اثر انگیز اور خوبصورت ہیں۔ نثری مضامین تو اردو ادب کے شاہکار ہیں کیوں کہ وہ ادیبانہ فکر وفن کی نزاکتوں پر کمالِ دسترس کے ساتھ ساتھ جمالیاتی احساسات کے بھی اداشناس ہیں ایک مضمون میں وہ خود اپنی شناخت یوں بیان کرتے ہیں۔

"ہر فنکار کی اپنی انفرادیت ہوتی ہے اس کا اپنا Vision اور نقطۂ نظر ہوتا ہے، اس کی اپنی دنیا، اپنی فضا اور اپنا ماحول ہوتا ہے، جہاں اس کے افکار پروان چڑھتے ہیں، عملی جامہ پہنتے ہیں ارتقا کے مدارج طے کرتے ہیں جو فنکار کی شناخت بن جاتے ہیں.... الخ"۔

(ماہنامہ اشرفیہ مارچ ۲۰۰۸ء، ص:۳۹)

ممدوح موصوف کے کئی حمدیہ کلام بھی اشرفیہ کے صفحات پر نظر سے گذرے ہیں، ان کے حمدیہ اشعار بھی نہایت اثر انگیز، رقت انگیز اور خوبصورت مثالیں پیش کرتے ہیں جس سے شاعر کی حمدیہ شاعری کے فکری وفنی معیار کا پتہ چلتا ہے۔ وہ ماہرِ عروض بھی ہیں اور نئی بحور کے موجد بھی، لیکن باوجود اس کے ایک کی کا احساس یہ ہوا کہ وہ تخلص کہیں مہتاب تو کہیں پیامی اور کہیں دونوں یعنی "مہتاب پیامی" استعمال کرتے ہیں جو ان کی ذات پر ایک سوالیہ نشان کھڑا کرتا ہے۔ بہرحال، اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ ☆☆☆

نقد و نظر

نام کتاب	:	بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی-احوال و آثار
مصنف	:	ابرار رضا مصباحی
اشاعت	:	ستمبر ۲۰۱۷ء/ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ
صفحات	:	۲۸۲
قیمت	:	۳۵۰
تعداد	:	۶۰۰
ناشر	:	شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن
تبصرہ نگار	:	مبارک حسین مصباحی

پیشِ نظر وقیع کتاب "بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی-احوال و آثار" ایک علمی، ادبی اور روحانی دستاویز ہے، شخصیت نگاری بجائے خود ایک ادبی فن ہے، پیش نظر کتاب اس کی ایک تازہ مثال ہے، حضرت شیخ کی ولادت تقریباً ۹۷۰ھ میں موضع سکلائی، ضلع لکھنؤ (یوپی) میں ہوئی اور وصال مبارک ۲۰/ذی الحجہ [تقریباً] ۱۰۳۸ھ میں ہوا۔ آپ کا مزارِ اقدس مصطفیٰ باغ، محلہ چمنی بازار، پورنیہ بہار میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم امیٹھی ضلع لکھنؤ میں ہوئی اور تکمیل جون پور میں فرمائی، آپ کا تخلص مہوشی ہے۔ آپ کے معروف اساتذہ میں بندگی شیخ محمد بن نظام الدین امیٹھوی اور شیخ قیام الدین جون پوری ہیں۔ والدِ گرامی حضرت شیخ عبد الحمید عثمانی ہیں جب کہ مورثِ اعلیٰ حضرت مخدوم شیخ بخشی عثمانی رومی علیہ الرحمہ ہیں۔ آپ اپنے استاذِ گرامی حضرت بندگی شیخ محمد بن نظام الدین امیٹھوی سے سلسلۂ چشتیہ سراجیہ میں بیعت تھے۔

اب ہم ان اجمالات کی تفصیل سے پہلے چند باتیں فاضلِ اشرفیہ معروف قلم کار محبِ گرامی مولانا ابرار رضا مصباحی کے تعلق سے عرض کردیں، آپ سے شناسائی تو برسوں پہلے سے ہے اور بفضلہ تعالیٰ آج تک ہے۔ ہم ۲۰/ستمبر ۲۰۱۷ء کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے شعبۂ مذہب و ثقافت کی میٹنگ میں شرکت کے لیے دہلی پہنچے، کونسل سے ہماری رکنیت کی عمر آٹھ برس سے متجاوز ہے۔ اس وقت کونسل کے ڈائریکٹر پروفیسر سید علی کریم [ارتضیٰ کریم] ہیں۔ موصوف فکر و فن اور علم و ادب میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ ہم پہلے دار القلم دہلی حاضر ہوئے، معروف زمانہ قلم کار حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی دام ظلہٗ العالی کے دفتر میں بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی کے ذمہ دار حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی کے بارے میں دریافت کیا، حسنِ اتفاق موصوف وہیں تشریف لے آئے، ان کے بعد حضرت مولانا محمد ظفر الدین برکاتی مدیر مسئول ماہ نامہ "کنز الایمان" دہلی بھی جلوہ افروز ہو گئے۔ ناشتے کے بعد جب ہم قومی کونسل کی میٹنگ کے لیے نکلے تو حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی بھی رفیقِ سفر تھے، واپسی میں انھوں نے فرمایا کہ "آپ کو نمازِ عصر کے بعد شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن چلنا ہے۔" خیر وقت پر وہ تشریف لائے اور ہم نے آسی فاؤنڈیشن R-197 چوتھی منزل، 20فٹ روڈ، جوگا بائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ ماشاءاللہ بہت دیدہ زیب فلیٹ ہے، اسی میں آفس بھی ہے۔ وہاں مولانا موصوف نے پر تکلف ناشتہ کرایا، باتوں باتوں میں مغرب کی اذان ہو گئی، ہم نے نماز ادا کی، اس موقع پر مولانا نے فاؤنڈیشن کی مطبوعہ متعدد علمی، روحانی اور تاریخی کتابیں بھی عطا فرمائیں، عطا کردہ علمی تحائف کی فہرست اس طرح ہے:

(۱) دینی احکام۔ مصنف: قطب العارفین حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی قدس سرہ، مترجم: مولانا سیف الدین شمسی، ترتیب و تحقیق: مولانا محمد ابرار رضا مصباحی، صفحات: ۴۶۴۔

(۲) شرح قصیدۂ غوثیہ۔ تصنیف: قمر الحق شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری، اردو ترجمہ: فخر الحسن رشیدی، صفحات: ۷۸۔

(۳) تذکرۂ مشائخِ رشیدیہ معروف بہ سمات الاخیار۔ تصنیف: مولانا عبد المجید کاتب رشیدی، تحقیق، تدوین، تحشیہ: خوشتر نورانی، صفحات: ۳۰۲۔

(۴) حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی، شخصیت اور کارنامے۔ تصنیف: مولانا محمد ابرار رضا مصباحی، صفحات: ۵۲۔

(۵) حیات شیخ الاسلام حقائق کے اجالے میں۔ تالیف: غلام ارشد یٰسینی رشیدی، صفحات: ۱۷۹، ناشر تنظیم فیضانِ آسی، توپسیا، کلکتہ۔

زیرِ تبصرہ کتاب بھی انھیں کتابوں کے ساتھ عنایت فرمائی تھی، پانچویں کتاب کے علاوہ باقی سب شاہ عبدالعلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی کی مطبوعات ہیں "حیاتِ شیخ الاسلام" بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے،

یہ تمام کتابیں علمی، تاریخی اور روحانی ہیں، طباعت اعلیٰ اور کاغذ معیاری ہے۔

ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ فاؤنڈیشن اور اس کی مطبوعہ کتابوں کے حوالے سے کچھ لکھیں گے، مگر وہ وعدہ تو ہم پورا نہ کر سکے، ہاں مگر مولانا موصوف کی تازہ ترین تصنیف کے تعلق سے کچھ لکھنے کے لیے بیٹھ گئے۔

حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی ایک ذمہ دار اور باصلاحیت مصباحی فاضل ہیں۔ آپ علم و عمل اور فکر و فن میں مثبت اور تعمیری فکر رکھتے ہیں، تحریر و تصنیف میں سنجیدگی ہے۔ ہر بات مدلل اور عصری حسیت سے لبریز ہوتی ہے، جس موضوع پر بھی لکھتے ہیں اس کا بھرپور حق ادا کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ اخلاق و کردار میں بھی عالمیت کے ساتھ صوفیت کا رنگ غالب نظر آتا ہے۔ موصوف اعلیٰ استاذ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ اخلاص و محبت اور تواضع و انکساری بھی خوب پائی ہے۔ جامعہ ملیہ دہلی میں بی. اے. عربی کر چکے ہیں اور اب اردو سے گریجویشن کر رہے ہیں۔ اس وقت ان کی پوری توجہ خانقاہ رشیدیہ جون پور کی جانب ہے۔ موجودہ سجادہ نشین مجمع البحرین حضرت مفتی شیخ محمد عبید الرحمٰن رشیدی دامت فیوضہ کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہیں، موصوف نے اس کتاب کا انتساب بھی اپنے مرشد طریقت کے نام سے کیا ہے اور آخر میں یہ مصرع رقم کیا ہے۔ ”بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزی دیگری“۔

کتاب کے مشمولات میں درج ذیل عنوانات ہیں:

انتساب۔ ہدیۂ تشکر۔ صدائے دل: ابرار رضا مصباحی۔ کلماتِ دعائیہ: مفتی شیخ محمد عبید الرحمٰن رشیدی۔ معلومات کا ایک موقر مجموعہ: مفتی سید شاہ محمود احمد رفاقتی۔ جمال الحق کی بندگی: پروفیسر جمال نصرت۔ مقدمہ، ابرار رضا مصباحی۔ بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی: احوال و آثار (۴۷-۲۴۲) مراجع و مصادر (۲۴۳-۲۵۶)، اشاریہ (۲۵۷-۲۷۰) عکس نوادرات (۲۷۱-۲۸۲)۔

مذکورہ تمام گوشوں پر تفصیلی بحث تو بہت مشکل ہے، بروقت چند چیزیں سپرد قلم کریں گے۔ حضرت مصنف جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے فراغت کے بعد پہلی بار ۲۰۱۰ء میں حضرت بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی کے آستانے پر حاضر ہوئے۔ یہ ان کی قلبی آرزو تھی، ان کے بقول ”اس در کی حاضری نے مقصودِ اصلی اور اسرارِ زندگی کو سمجھنے کا شعور عطا کیا“حسنِ اتفاق مولانا کے مرشدِ طریقت حضرت مفتی شیخ محمد عبید الرحمٰن رشیدی دامت برکاتہم القدسیہ اپنے حجرے سے باہر چند علما اور طلبہ کے جلو میں جلوہ گر تھے، موصوف وہاں پہنچے تو حضرت نے اپنا رخ ان کی طرف کر لیا۔ ابتدائی گفتگو کے بعد یوں گوہر افشاں ہوئے۔

”میں نے رات کافی فکر و تأمل کیا اور نتیجہ اخذ کیا کہ آپ کے ایک ہاتھ میں قلم رہے اور ایک ہاتھ میں کمائی کا کوئی ذریعہ، بس اسی میں ان شاء اللہ آپ کی زندگی کی گاڑی اچھی چلے گی۔“ (ص:۱۲)

اس کے بعد ۲۰۱۶ء میں آپ قطب العارفین حضرت مخدوم شاہ طیب بنارسی کے عرس کے موقع پر خانقاہ طیبیہ معینیہ [منڈوا ڈیہ، بنارس] تشریف لے گئے، اس موقع پر بھی سجادہ نشیں حضرت مفتی صاحب دام ظلہٗ العالی نے فرمایا: ”حضرت جمال الحق بندگی شیخ مصطفےٰ قدس سرہٗ، بانی خانقاہ رشیدیہ حضرت دیوان شیخ محمد رشید جون پوری قدس سرہٗ کے والد بزرگوار اور پیر و مرشد ہیں، لیکن ان پر باضابطہ کوئی کام نہیں ہو سکا۔“ (ص:۱۳)

حضرت مفتی صاحب نے مزید فرمایا: ”سمات الاخیار“ میں مختصراً ہی آپ کے حالات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ”گنج ارشدی“ وغیرہ میں بھی آپ کے احوال مذکور ہیں، ان سب کو مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔“

حضرت صاحبِ سجادہ نے بنارس میں بندگی شیخ مصطفےٰ کے تعلق سے اپنی تحریر کردہ کچھ اہم باتیں عنایت فرمائیں، اس کے بعد آپ نے بے پناہ محنت فرما کر پیشِ نظر کتاب ”بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی: احوال و آثار“ مرتب فرمائی۔ اس کی ترتیب و تحقیق میں جن حضرات نے تعاون فرمایا، ان کا بھی ذکر خیر فرمایا۔

حضرت بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی قدس سرہ العزیز خلیفۂ ثالث حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل پاک سے ہیں۔ آپ کا خاندان صدیوں سے علم و فضل کا گہوارہ رہا ہے۔ آپ کے خاندان میں تصوف و روحانیت میں بھی یکتائے روزگار شخصیات پیدا ہوئی ہیں۔ آپ کی اٹھارہویں پشت میں عظیم بزرگ حضرت شیخ سری سقطی عثمانی آتے ہیں۔ اور گیارہویں پشت میں قدوۃ المشائخ مخدوم شیخ یحشیٰ عثمانی رومی بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت شیخ رومی محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا دہلوی کے مرید و خلیفہ تھے۔ محبوب الٰہی کے محبوب خلیفہ خواجہ نصیر الدین محمود روشن چراغ دہلوی نے بھی آپ کی روحانیت کی تکمیل میں گراں قدر حصہ لیا۔ مرشدِ طریقت حضرت خواجہ نظام الدین

اولیا نے آپ کو لکھنؤ اور نواح لکھنؤ میں رشد و ہدایت کے لیے روانہ فرمایا۔ آپ موضع سکلائی، ضلع لکھنؤ میں آکر قیام پذیر ہو گئے۔ حضرت شیخ رومی قدس سرہ نے دنیا سے کنارہ کش ہو کر دین و سنیت کی اعلیٰ خدمات انجام دیں۔ معارفِ تصوف سے دور دور تک علاقوں کو بقعۂ نور بنا دیا۔ آپ نے مختلف جہتوں سے انسانی دنیا کے ایک طبقے کو اللہ تعالیٰ تک پہنچایا۔ آپ کی خدمات کی بڑی تفصیل ہے جسے بڑے سلیقے سے حضرت مصنف نے درج فرمایا ہے۔ ۱۵ر رمضان المبارک کو آپ واصل بحق تعالیٰ ہوئے۔ آپ کا مزارِ اقدس موضع سکلائی میں مرجعِ خلائق ہے۔

حضرت مصنف تحریر کرتے ہیں: "شیخ رومی کی دسویں پشت میں امام العارفین شیخ عبد الحمید عثمانی گزرے ہیں، یہ حضرت بندگی شیخ مصطفٰے عثمانی کے والد بزرگوار تھے اور حضرت شیخ محمد رشید عثمانی بانی سلسلہ رشیدیہ کے جدِ امجد تھے۔" اس مقام پر مولانا ابرار رضا مصباحی نے ایک تاریخی سہو کی اصلاح کی جانب بھی توجہ فرمائی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:

"شیخ عبد الحمید عثمانی کو "سمات الاخیار" میں مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی کا مرید و خلیفہ ہونا بتایا گیا ہے، جیسا کہ مخدوم یخشیٰ رومی کے احوال میں مرقوم ہے۔

"آپ کے بعد دسویں پشت میں حضرت شیخ عبد الحمید ایک بزرگ گزرے ہیں جو حضرت قطب الاقطاب [شیخ محمد رشید مصطفٰے] کے حقیقی دادا تھے اور حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ کے مرید و خلیفہ تھے۔" (سمات الاخیار، ص: ۳۴)

حضرت مصباحی صاحب اس تاریخی سہو پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"غالباً یہ سہو ہے، اس لیے کہ سمات الاخیار کے اصل مراجع مکتوباتِ جمالی، گنج رشیدی، گنج ارشدی، گنج فیاضی اور کراماتِ فیاضی ہیں۔ ان میں یا ان کے علاوہ کہیں بھی اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ شیخ عبد الحمید عثمانی، مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مرید و خلیفہ تھے۔" (ص: ۶۳)

اس کے بعد حضرت مصنف نے مزید اپنے مدعا کو دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے آپ کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ سدھور ضلع بارہ بنکی میں تارکِ سلطنت حضرت سید مخدوم اشرف سمنانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تذکرۂ مشائخ شیرازِ ہند جون پور کے مطابق دو بار جلوہ گر ہوئے اور صاحبِ نور الانوار جدید کے مطابق تین بار تشریف لے گئے۔ حضور مخدوم سمناں کے خلفا میں حضرت شیخ خیر الدین انصاری سدھوری اور قاضی شیخ محمد عرف متھن صدیقی سدھوری کے اسمائے گرامی ملتے ہیں، شیخ عبد الحمید عثمانی کا کسی کتاب میں شیخ سمناں کی خلافت کا ذکر نہیں ملتا، یہ بھی ایک سچائی ہے کہ شیخ عبد الحمید اپنے عہد میں بھی معروف و مقبول تھے۔ آپ کا نسبی تعلق بھی ایک علمی اور روحانی خانوادے سے تھا اور آپ ایک مشہور بزرگ شیخ یخشیٰ رومی کی اولاد سے تھے۔

مولانا مصباحی مزید لکھتے ہیں کہ: "شیخ عبد الحمید کی شادی مخدوم سمناں کے مرید و خلیفہ قاضی شیخ محمد عرف مٹھن کی پڑپوتی سے ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو شیخ عبد الحمید کے قاضی محمد تک تین اور حضرت مخدوم سمناں تک پہنچنے میں چار واسطے ہوتے ہیں، جس میں زمانے کا بھی بڑا فرق و تفاوت ہے۔" (ص: ۶۴)

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا، شیخ عبد الحمید عثمانی کا عقدِ نکاح خلیفۂ مخدوم اشرف جیلانی کی پڑپوتی سے ہوا تھا، آپ کی شریکِ حیات نیک طینت، بلند اخلاق اور رابعۂ عصر تھیں، بارگاہِ الٰہی میں ان کی دعائیں مقبول ہوتی تھیں، آپ کے دو صاحب زادگان تھے، حضرت بندگی شیخ مصطفٰے اور حضرت بندگی شیخ عثمان، والدہ ماجدہ نے اپنے دونوں فرزندوں کے لیے دعا مانگی:

"روزی بجناب مجیب السائلین در خواست نمودند کہ بخانۂ مصطفٰے علم و فقر جاری باشد و بخانۂ عثمان شمشیر۔ اثر دعاے ایشاں الیٰ یومنا جاریست۔" (شیخ غلام رشید جون پوری، گنج ارشدی، جلد اول، قلمی، فارسی، ص: ۹۴، ۹۵، مخزونہ: خانقاہ رشیدیہ، جون پور)

ایک روز بندگی شیخ مصطفٰے کی والدہ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی کہ مصطفٰے کے گھر میں علم و فقر اور عثمان کے گھر میں شمشیر جاری رہے۔ ان کی دعا کا اثر آج بھی جاری ہے۔

حضرت مولانا ابرار احمد مصباحی نے اس کتاب میں تحریر فرمایا:

"بندگی شیخ مصطفٰے جب علوم و فنون سے فارغ ہوئے تو موضع سکلائی ضلع لکھنؤ سے ترکِ سکونت کرتے ہوئے جون پور کے موضع برونہ میں اقامت گزیں ہوئے۔"

مولانا مصباحی نے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی کتاب "فقہاے ہند" میں تحریر کردہ اس عبارت کی تردید فرمائی ہے:

"پھر امیٹھی کا قصد کیا اور کافی عرصہ وہاں مقیم رہے۔ امیٹھی سے موضع برونہ منتقل ہو گئے جو اس زمانے میں اعمالِ جون پور میں ایک گاؤں تھا۔" (فقہاے ہند، ج: ۴، ص: ۴۸۰، مطبوعہ دہلی ۲۰۱۴ء)

مولانا ابرار مصباحی نے مولانا محمد اسحاق بھٹی کے اس نقطۂ نظر سے اختلاف تو کیا مگر دلائل ذکر نہیں فرمائے، حالاں کہ دلائل بھی ذکر فرمادیتے تو بہتر تھا۔

حضرت بندگی شیخ مصطفیٰ کا عقد مسنون برونہ میں حضرت شیخ نور الدین برونوی کی دختر نیک اختر سے ہوا۔ زوجہ محترمہ کا مزارِ مبارک موضع برونہ، ضلع جون پور میں شیخ احمد زین برونوی کے جماعت خانہ سے متّصل ہے۔

بندگی شیخ مصطفیٰ، عثمانی قدس سرہ العزیز کو بارہ بنکی کے معروف قصبہ سدھور کی ولایت عطا کی گئی۔ ولایت عطا کرنے والے یہ مشائخِ کبار ہیں: شیخ نظام الدین نارنوی، شیخ عبد الجلیل سدھوری، شیخ ناصر سدھوری، قاضی مبارک سدھوری وغیرہ۔

حضرت مصنف لکھتے ہیں: ”سدھور کی ولایت عطا ہونے سے پہلے اور بعد بھی بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی کا تعلق سدھور سے رہا، بلکہ کتبِ تاریخ وتذکرہ کی روشنی میں خانوادہ رشیدیہ کے سدھور سے علمی، روحانی، خاندانی، قرابتی و سسرالی غرض کئی جہتوں سے قدیم تعلقات اور روابط رہے ہیں۔“[ص:۱۱۱]

اس کے بعد مصنف نے ان روابط کی جھلکیاں سپردِ قلم فرمائی ہیں، جن کو آپ اصل کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

قصبہ سدھور ضلع بارہ بنکی میں ایک قدیم علمی اور تاریخی آبادی ہے، مختلف ادوار میں یہاں علما اور مشائخ پیدا ہوئے جن میں شیخ خیر الدین انصاری سدھوری، شیخ قاضی محمد عرف مٹھن صدیقی سدھوری، شیخ علی سدھوری، شیخ خواجگی سدھوری، قاضی مبارک سدھوری، شیخ شہر اللہ سدھوری، شیخ محب اللہ سدھوری، قاضی عبد الصمد سدھوری، قاضی مخدوم سدھوری، شیخ عبد الجلیل سدھوری، شیخ نصر اللہ سدھوری، شیخ ناصر سدھوری وغیرہ قابلِ ذکر ہیں جو علمی و روحانی دنیا میں اہمیت اور شہرت کے حامل ہیں۔ (ملخصًا، ص:۱۱۰)

راقم مبارک حسین مصباحی بھی دو بار سدھور حاضری کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ ہمارے ہم جماعت محبِ گرامی حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور سدھور کے رہنے والے ہیں۔ موصوف باصلاحیت فاضل اور عربی زبان وادب کے ماہر ہیں اور بحیثیت شیخ الادب العربی جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بیس سال سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ عربی اور اردو میں دو درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف فرما چکے ہیں، آپ کی چند کتابیں داخلِ درس بھی ہیں۔ آپ کے مکان کے سامنے بلند خطۂ زمین پر ایک چھوٹا سا قبرستان ہے جس میں حضرت شیخ علی بن شیخ خیر الدین انصاری اور شیخ خواجگی بن شیخ علی رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات بھی ہیں۔ یہ دونوں مزارات ایک بلند چبوترے پر واقع ہیں، ہم نے ان مزارات پر حاضری اور فاتحہ خوانی کا شرف حاصل کیا۔ حضرت فرماتے ہیں کہ ہمارا آبائی مکان مزارات سے متّصل کچھ نیچے تھا، اس میں اب بھی ان کے برادرِ گرامی رہتے ہیں، جب کہ آپ نے اپنا مکان اسی سے متّصل تعمیر کرا لیا ہے، جو اس درگاہ شریف سے بالکل پچھّم ہے۔ حضرت مولانا کا فرمانا ہے کہ ”ان مزارات کی برکت سے ہمارے گھر میں کبھی چوری نہیں ہوئی۔“ مولانا فرماتے ہیں ”مزارات کے قرب وجوار میں رہنے والے حضرات اپنے مکانوں کی دوسری منزل تعمیر کرانے سے گریز کرتے ہیں، بزرگوں کے ادب واحترام کا ایک طریقہ یہ بھی ہے۔ حضرت شیخ علی انصاری کا لقب ”وبازد“ ہے، ان کے والدِ گرامی حضرت مخدوم شیخ خیر الدین انصاری علیہ الرحمہ ہیں۔“

حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے خلیفۂ سید مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی حضرت شیخ خیر الدین انصاری علیہ الرحمہ کی ایک زندہ کرامت بیان فرمائی۔ حضرت کا مزارِ اقدس سدھور سے نصف کلو میٹر کے فاصلے پر پچھّم اور دکھن کی جانب واقع ہے، مزار سے متّصل ایک چھوٹا سا تالاب بنام ”اَمھَٹ“ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہم ابھی بہت چھوٹے تھے کہ سدھور میں اچانک شور ہوا کہ حضرت کے مزار کے قریب واقع ”امھٹ“ تالاب کا پانی دودھ ہو رہا ہے۔ بلا تفریق مذہب وملت ہندو مسلم وغیرہ تمام لوگ وہاں جمع ہونے لگے۔ پولیس کے نمائندے بھی وہاں پہنچ گئے، پولیس نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا، یہ دودھ پچھّم سے پورب کی جانب بڑھ رہا تھا، جیسے جیسے وقت آگے بڑھ رہا تھا دودھ کی مقدار میں بھی اضافہ ہو رہا تھا، پھر جب سورج طلوع ہوا تو دودھ گاڑھا ہونے لگا، زائرین کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہو گیا۔ ہر طرف پولیس نے پہرہ لگا دیا اور لوگوں کو تالاب کا پانی نالنے سے منع کرنے لگی، تھوڑی دیر تک تو بھیڑ قابو میں رہی، لیکن بالآخر لوگوں کے ہاتھوں سے صبر کا دامن چھوٹ گیا اور اس دودھ کو نکالنا شروع کر دیا، دراصل پولیس کی تعداد کم تھی جس کی وجہ سے اس پر کنٹرول نہ ہو سکا۔ زائرین کا ہجومِ شوق جب اس دودھ پر ٹوٹا تو اس دودھ کا رنگ آہستہ آہستہ بدلنے لگا۔ مولانا نفیس احمد مصباحی فرماتے ہیں ”صغر سنی کے باوجود ہم بھی ایک لوٹا لے کر اپنے گھر سے دوڑتے ہوئے

دودھ لینے گئے، جب ہم وہاں پہنچے تو دودھ کا رنگ ہلکا ہو چکا تھا، مگر دودھیا رنگ بڑی حد تک باقی تھا۔ خیر ہم وہ دودھ لے کر اپنے گھر آئے۔ ”مولانا فرماتے ہیں ”ناظرین وحاضرین نے بڑے ادب واحترام سے اس دودھ کو استعمال کیا اور اس کی برکتیں حاصل کیں۔“ یہ اللہ والوں کے مزارات کے فیوض وبرکات ہیں، جو قسمت والوں کا مقدر بنتے ہیں۔

جس عہد میں بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی قدس سرہ اپنے حلقۂ ولایت سدھور ضلع بارہ بنکی (یوپی) اور پورنیہ (بہار) اور دیگر علاقوں میں رشد وہدایت کی خدمات انجام دے رہے تھے وہ ایک فتنوں بھرا دور تھا، مشائخ اور علما اپنی خانقاہوں اور درس گاہوں سے باطل نظریات کی پرزور تردید اور صلاح وفلاح کے لیے مسلسل کوشش فرما رہے تھے، ”دینِ اکبری“ اس عہد کا سب سے بڑا فتنہ تھا، آپ کے معاصر علما و مشائخ میں محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی، امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی، شیخ طیب بنارسی، راجی سید شاہ احمد بن مجتبیٰ مانک پوری، شیخ جمال الاولیا کوڑوی، شیخ افضل جون پوری، شیخ عبد القدوس قلندر جون پوری، شیخ شہباز بھاگل پوری، شیخ نظام الدین تھانیسری، شیخ تاج الدین سنبھلی وغیرہ شخصیات تھیں۔

حضرت بندگی شیخ مصطفیٰ نے اپنے ظاہری عہدِ حیات میں اہم دینی اور اصلاحی خدمات انجام دیں، آپ نے اپنے بے شمار مریدین ومتوسلین کے ذریعہ حق وصداقت کے کارنامے انجام دیے، پیش نظر کتاب میں آپ کی روحانی جد وجہد کی بڑی حد تک تفصیل آگئی ہے، اس میں کوئی شبہہ نہیں جو کارنامے خطبا کی ہزاروں تقریریں انجام دینے سے قاصر رہتی ہیں، اللہ تعالیٰ کے ولیِ کامل کی ایک نگاہ پایۂ تکمیل کو پہنچا دیتی ہے، آپ علیہ الرحمہ بھی بلا شبہہ اپنے عہد میں فضل وکمال اور تصوف وروحانیت میں اپنی مثال تھے، آپ کے کارناموں اور گراں قدر کرامتوں کی ایک تفصیل ہے۔

حضرت سلسلہ سراجیہ میں اپنے استاذ گرامی حضرت بندگی شیخ محمد نظام الدین امیٹھوی کے مرید اور خلیفہ تھے، جب کہ خلافت و اجازت شیخ قیام الدین جون پوری، شیخ فتح اللہ راج گیری اور شیخ نظام الدین نارنوی وغیرہ جلیل القدر مشائخ سے حاصل تھی، مشائخ نے پہلے آپ کو سدھور کی روحانی ولایت عطا فرمائی تھی، پھر اس کے بعد مخدوم شیخ نور قطب عالم پنڈوی کے ارشاد کے مطابق پورنیہ تشریف لے گئے، محلہ چمنی بازار میں قیام پذیر ہوئے، خانقاہ رشیدیہ جون پور کے ملک بھر میں روحانی اثرات تھے، مشائخ سلسلہ رشیدیہ اپنی جگہ اپنی اپنی علمی اور روحانی شناخت رکھتے تھے، حضرت بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی کے چند معروف خلفا کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں: (۱) بندگی شیخ عثمان امیٹھوی (۲) شیخ محمد سعید عثمانی (۳) شیخ محمد رشید جون پوری (۴) اور شیخ محمد رفیع پورنوی۔

شیخ عالم فردوسی کے وصال کے بعد پورنیہ کا منصبِ ولایت خالی ہوا۔ شیخ قطب عالم پنڈوی نے بہ الہامِ باطنی آپ کو پورنیہ کی ولایت عطا فرمائی اس وقت پورنیہ بنگال کا ایک وسیع اور تاریخی حصہ تھا۔ اس وقت پورنیہ میں کٹیہار، کشن گنج، ارریہ، دیناج پور وغیرہ اضلاع شامل تھے۔

حضرت مصنف نے خانقاہ رشیدیہ جون پور کے مختلف ادوار میں ہونے والے سجادگان کے احوال بھی رقم فرمائے ہیں جن کی فہرست حسب ذیل ہے۔

شیخ محمد رشید عثمانی جون پوری، شیخ محمد ارشد عثمانی جون پوری، شیخ غلام رشید عثمانی جون پوری، شیخ حیدر بخش جون پوری، شیخ امیر الدین جون پوری، شیخ غلام معین الدین جون پوری، شیخ سراج الدین جون پوری، شیخ محمد عبد العلیم آسی غازی پوری، سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانی گورکھپوری، سید شاہ مصطفیٰ علی سبز پوش آسی گورکھ پوری، مفتی شیخ محمد عبید الرحمٰن رشیدی (موجودہ سجادہ نشین)۔

بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی مہوشی ایک عظیم روحانی شاعر اور بلند پایہ قلم کار بھی تھے، آپ کی شاعری روحانیت و معرفت کے مسائل اور معاملات سے لبریز ہوتی تھی۔ چند اشعار ذیل میں پیش ہیں۔

شد مہوشی بعشق تو آتش پرست دیر
کور از مہر سوزِ دلِ ایمان آتش است

نگاہ را فارغ از ہجر و صالت مہوشی ہردم
بصد جاں آرزو دارد ز عشقت سوزِ پنہانی

آپ کی مایہ ناز تصنیف ”مکتوباتِ جمالی“ میں متعدد مقامات پر شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔ دیگر عربی اور فارسی شعرا کے ساتھ اپنے اشعار بھی ”الکاتبہ“ اور ”المحررہ“ سے پیش کیے ہیں۔ درج بالا اشعار مصنف نے اسی کتاب سے نقل کیے ہیں۔

نثری نگارشات میں آپ کے مکتوبات ملتے ہیں، آپ نے گاہے بہ گاہے حقائق ومعارف مکتوبات کی شکل میں پیش فرمائے ہیں۔ تحریر

سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ایک بلند پایہ عالم ربانی تھے اور قرطاس و قلم کا اچھا ذوق رکھتے تھے، مجموعۂ مکتوبات "مکاتبات عارفین" معروف بہ "مکتوبات رشیدیہ" کے اخیر میں درج ہے۔ ان مکتوبات کو حضرت سید شاہ شاہد علی سبز پوش فانی گورکھ پوری نے "مکتوباتِ جمالی" کے نام سے شائع فرمایا۔ اس میں بندگی شیخ مصطفےٰ کے ۲۱؍ مکتوبات ہیں۔

اس تعارف کے بعد حضرت مصنف لکھتے ہیں:

"مروجہ نسخے میں حضرت جمال الحق کے محض ۲۱ مکتوبات شامل ہیں، جب کہ گنج رشیدی، گنج ارشدی اور سمات الاخیار وغیرہ میں آپ کے ۴۰؍ مکتوبات کا ذکر ملتا ہے۔" (ص:۱۳۹)

مصنف نے اپنے مدعا پر متعدّد حوالے نوٹ فرمائے ہیں۔ مولانا عبدالمجید کاتب مصطفیٰ آبادی لکھتے ہیں:

"آپ کی تصانیف میں "چہل مکتوبات" میرے پیشِ نظر ہے جن میں احباب کی خاطر حقائق و معارف کی باتیں مکتوبوں کی صورت میں لکھی ہیں۔" (سمات الاخیار، ص:۳۸)

خانقاہ مصطفائیہ ایک روحانی مرکز ہے، یہ اپنے عہد اول ہی سے فیوض و برکات کا سرچشمہ رہا ہے، دینی اور دنیاوی حاجات کا مرجع و ماویٰ رہا ہے۔ یہ روحانی فیضان آج بھی جاری ہے۔ قطب الاقطاب شیخ محمد رشید جون پوری کو ان کے مرشدِ گرامی راجی سید شاہ احمد بن مجتبیٰ مانک پوری نے جون پور کی ولایت عطا فرمائی۔ آپ نے شیرازِ ہند جون پور میں "خانقاہ رشیدیہ" کی بنا ڈالی، اس کے بعد خانقاہ مصطفائیہ، چمنی بازار، خانقاہ رشیدیہ کے اہتمام و انصرام میں آگئی، اب جو بزرگ بھی خانقاہ رشیدیہ جون پور کا سجادہ نشیں ہوگا وہ ملک کے مختلف علاقوں میں اس سلسلے کی تمام خانقاہوں کا سجادہ نشیں ہوگا۔ بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت خانقاہ رشیدیہ جون پور کے سجادہ نشین پاک باز، نیک سیرت، عالمِ دین، مفتیٔ عصر، شیخِ طریقت حضرت علامہ مفتی محمد عبید الرحمٰن رشیدی ہیں۔ آپ ہی حسب ذیل دیگر خانقاہوں کے سجادہ نشیں بھی ہیں:

(۱) خانقاہ مصطفائیہ، چمنی بازار، پورنیہ، بہار

(۲) خانقاہ طیبیہ معینیہ، منڈواڈیہ، بنارس، یوپی

(۳) خانقاہ تکیۂ حیدری، بھمن برہ، سیوان، بہار

(۴) خانقاہ علیمیہ، محلہ نور الدین پورہ، غازی پور، یوپی

اسی طرح ملک کے مختلف صوبوں اور خطوں میں خانقاہ رشیدیہ جون پور کی شاخیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان تمام مقامات پر جو دعوت و تبلیغ اور تعمیر و ترقی کے کام جاری رہتے ہیں، سب کا نظم و نسق خانقاہ رشیدیہ جون پور کی زیرِ نگرانی جاری رہتا ہے۔

حضرت بندگی شیخ مصطفےٰ عثمانی بے شمار کرامات اور تصرفات کے منبع و مصدر تھے، ان کی تفصیلات کے لیے دفتر درکار ہیں، سرِ دست ہم ذیل میں اسی کتاب کے حوالے سے آپ کے مزار شریف سے صادر ہونے والا کا ایک روحانی تصرف نقل کرتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

"عرس پاک کے بعد حسبِ معمول زائرین حضرت مجمع البحرین کی خدمت میں پہنچ کر شرفِ نیاز حاصل کرتے ہوئے سلام و دست بوسی کرتے اور اجازت لے کر گھر کے لیے رخصت ہو رہے تھے۔ اسی درمیان ایک شخص نے خدمت میں عرض کیا کہ حضور! کچھ پریشانیاں در پیش ہیں، متعدّد جگہوں پر گیا، لیکن اب تک کچھ فائدہ نہیں ہوا ہے، دعاؤں کی درخواست ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "جائیے! حضرت بندگی کے روضے پر جاکر عرض کر دیجیے"۔ اس کے بعد آپ (حضرت صاحبِ سجادہ) نے حضرت بندگی کے علمی کمالات اور باطنی تصرفات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"دیکھیے! آج سے تقریبًا ۱۰؍ سال پہلے کی بات ہے کہ جوگبنی (ارریہ) علاقے میں ایک مادر زاد اندھی بچی پیدا ہوئی تھی، لیکن گھر والوں کو اس کا اندازہ نہ تھا، جب بچی بڑی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ کچھ نہیں دیکھ پا رہی ہے اور پیدائشی نابینا ہے تو پورا گھرانہ سوگ وار اور ماتم کدہ بن گیا۔ گھر والے بچی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس گئے، لیکن ڈاکٹر نے دیکھ کر جواب دیا کہ یہ پیدائشی اندھی ہے اور اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ جب حضرت بندگی کا عرس آیا تو نابینا بچی کے گھر والے بچی کے ساتھ عرس میں آئے۔ انھوں نے حضرت بندگی کے آستانے کی خاک نابینا بچی کی آنکھوں پر لگائی اور نذر مانی کہ یا بندگی! اگر میری بچی کی بینائی واپس آگئی تو آئندہ سال عرس میں آپ کے نام پر نیاز پیش کروں گا۔ عرس سے واپسی کے کچھ ہی دن بعد اچانک بچی کو بینائی آگئی اور بچی اپنے گھر والوں سے گویا ہوئی کہ اب میں دیکھ سکتی ہوں، مجھے ساری چیزیں نظر آرہی ہیں۔ یہ سن کر گھر والوں میں ایک جشن کا ماحول پیدا ہو گیا۔ آئندہ سال کے عرس میں یہ لوگ خوشی خوشی درگاہ شریف چمنی بازار آئے اور حضرت بندگی کے آستانے پر حاضری دے کر یہ لوگ میرے پاس خانقاہ میں ملنے کے لیے آئے۔ عرس کا موقع تھا، مجلس میں زائرین اور ملاقاتیوں کا کافی ہجوم تھا، اسی درمیان بچی کے گھر والے بڑی بے تابی کے

ساتھ گویا ہوئے:

حضرت! آپ کی دعاؤں اور حضرت بندگی کے فیض و کرم سے میری بچی کی بینائی اب ٹھیک ہو گئی ہے۔ گذشتہ سال یہاں کی خاک بچی کی آنکھ میں لگائی تھی اور نذر مانی تھی۔ اس سال عرس میں منت ادا کرنے اور نیاز پیش کرنے کے لیے آیا ہوں۔ سوچا کہ آپ کی خدمت میں بھی حاضری دے دوں اور واقعہ بتاؤں۔ (ص: ۱۶۰، ۱۶۱)

حضرت بندگی شیخ مصطفیٰ عثمانی کا عرس پاک ہر سال ۲۰/ ویں ذی الحجہ کو منعقد ہوتا ہے، قل شریف صبح صادق کے وقت ہوتا ہے۔ عرس کے سارے نظم و نسق کا اہتمام خانقاہ رشیدیہ جون پور کی جانب سے انجام دیا جاتا ہے۔

لکھنے کے لیے تو طبیعت بہت بے چین ہے مگر تبصرے میں زیادہ لکھنا غیر مناسب معلوم ہوتا ہے، سرِ دست ہم بے پناہ مبارک باد پیش کرتے ہیں محبِ گرامی حضرت مولانا ابرار رضا مصباحی زید فضلہٗ کو کہ انھوں نے بڑی حد تک تحریر کا حق ادا فرما دیا ہے، خاص بات یہ ہے کہ موصوف شاہ عبد العلیم آسی فاؤنڈیشن دہلی سے ایک ذمہ دار فاضل اور قلم کار کی حیثیت سے وابستہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ خانقاہ رشیدیہ جون پور کے چراغ کو، نہیں نہیں، بلکہ سورج کو اسی طرح آسمان کی بلندیوں میں روشن و منور رکھے، اس کی روشنی سے ماضی کی طرح حال بھی جگمگا اٹھے۔ آمین

ابنائے اشرفیہ

تمام ابنائے اشرفیہ مندرجہ ذیل فارم کو پُر کر کے اپنی موجودہ مصروفیات سے مطلع کریں۔

اندراج نمبر________________

نام________________ والد کا نام________________

تاریخِ پیدائش________ اشرفیہ میں تعلیم کب سے________ اشرفیہ میں تعلیم کب تک________

اشرفیہ سے جاری کوئی سند________________ اشرفیہ میں آخری کورس________________

اعلیٰ تعلیم: کسی بھی ادارے سے________________

پیشہ/عہدہ________ موبائل نمبر________ قومیت________

ای میل________________

کارکردگی و انعامات________________

____

____

موجودہ پتہ: ________________

شہر________ صوبہ________ ملک________ پن نمبر________

مستقل پتہ: ________________

شہر________ صوبہ________ ملک________ پن نمبر________

نوٹ: تمام ابنائے اشرفیہ سے گذارش ہے کہ یہ فارم www.aljamiatulashrafia.org پر آن لائن موجود ہے، وہاں مذکورہ تمام تفصیلات پیش کریں، تاہم کسی وجہ سے آن لائن فارم نہیں بھر سکتے تو بذریعہ ڈاک "**تنظیم ابنائے اشرفیہ**" کے مرکزی آفس میں جمع کر دیں۔ یا ای میل کے ذریعہ ارسال فرمائیں:

Add. Tanzeem Abna-e-Ashrafia,
Aljamiatul Ashrafia,
Mubarakpur-276404, Azamgarh (U.P.)

Email. info@aljamiatulashrafia.org
ashrafiamonthly@gmail.com

منظومات

نشانِ حضرتِ حسان کی تقلید ہو جائے

مقدر جاگ اٹھے فکر و نظر کی عید ہو جائے
اگر مدحت سرائی کی شہا تائید ہو جائے

عجب شے ہے رہے آنکھوں میں تو آنسو ہے پانی ہے
گرے در پر نبی کے اور مروارید ہو جائے

کچھ اس انداز سے تعریف ہو شہکارِ خلقت کی
کہ پھر خلّاقِ اکبر کی وہی تحمید ہو جائے

اشارے پر مرے ممدوح کے ایک شعر ہی مولیٰ
قلم سے منشیِ دربار کے تسوید ہو جائے

نہاتا ہے جو صبح و شام عکسِ سبز گنبد میں
وہ ذرہ کیوں نہ پھر رشکِ مہ و خورشید ہو جائے

نہیں ایسا ہوا اب تک تو اب ہو کیسے ممکن ہے
غلام اس در پہ آئے اور ناامید ہو جائے

جہاں محفل ہو ذکرِ مصطفیٰ کی ساتھ رہنا ہے
فرشتے منتظر رہتے ہیں، یہ تاکید ہو جائے

قدم رنجہ کسی دن ہوں ہمارے دیدہ و دل میں
لحد میں، حشر میں دیدار کی تمہید ہو جائے

نظیرؔ اس راستے میں بس یہی جدت طرازی ہے
نشانِ حضرتِ حسان کی تقلید ہو جائے

از: واحد نظیر

آقا کوئی ہماری طرف دیکھتا نہیں

یہ تو بھلا بتائیے کس نے کہا نہیں
کیا نقشِ پا چمکتا ہوا آئینہ نہیں

مصروف میں ہوں ذکرِ رسالت مآب میں
گھر کیسے چل رہا ہے مجھے کچھ پتا نہیں

سورج فلک پہ آج بھی تیار تھا مگر
انگشتِ محترم کا اشارہ ہوا نہیں

دیکھا کہیں نصیب کا مارا مِری طرح
طیبہ سے لوٹ آیا میں زندہ، مَرا نہیں

اعزازِ وقتِ فجر سے ہونا ہے فیض یاب
یوں ہی میاں نصیب میں بادِ صبا نہیں

بس ایک التفاتِ نظر کی ہے آرزو
آقا! کوئی ہماری طرف دیکھتا نہیں

جس کو نبی کے شہر کا ازبر ہے راستہ
جنت کا راستہ وہ کبھی بھولتا نہیں

شاخِ شجر اداس ہے موسم ہے زرد زرد
گلشن میں وہ نہ آئے تو گل ہی کھلا نہیں

ہرگز پڑھے بغیر ہی سرکار پر درود
اطہرؔ نے کوئی شعر کیا مصرع لکھا نہیں

حسن رضا اطہر، بوکارو

منقبت

در شانِ استاذ القرا حضرت مولانا قاری
محمد یحییٰ مبارک پوری علیہ الرحمہ

تھی صورت صوفیانہ تو طبیعت عارفانہ تھی
سبھی پر ملتفت ان کی نگاہِ مشفقانہ تھی
طریقِ امجدی پر گام زن تھی زندگی ان کی
تھی خلوت متقیانہ تو جلوت عالمانہ تھی
انھیں قلبی عقیدت تھی شعارِ قادریت سے
امام احمد رضا سے بھی محبت والہانہ تھی
تر و تازہ جو کر جاتی تھی سامع کے مشامِ جاں
شمیم گل سی ان کی وہ نوائے قاریانہ تھی
ریاضِ اشرفیہ کے لیے موصوف کی ہستی
کبھی تھی ناظمانہ تو کبھی وہ خادمانہ تھی
محاذِ سنیت پر ذاتِ والا باصفات اُن کی
مجاہد کی صفت ہر سو نشانِ غازیانہ تھی
فنِ قرأت میں بھی تھی طاق ان کی دیدہ ور ہستی
علومِ دیں سے بھی تھی بہرہ ور بینا تھی، دانا تھی
جہادِ زندگانی میں مسلسل زندگی ان کی
بہر صورت عمل پیرا بجاہِ عالمانہ تھی
خطابت میں کیا کرتے تھے عصرِ نو کی نباضی
نگاہِ دور بیں ان کی شناسائے زمانہ تھی
کریمانہ نظر رہتی تھی طلبہ پر سدا ان کی
ہمیشہ گفتگو بچوں سے ان کی ناصحانہ تھی
وطن ہی سے انھیں کرنا تھا سفرِ آخرت مضطرؔ
سفر میں بمبئی کے وہ رکاوٹ اک بہانہ تھی

از: مضطرؔ مبارک پوری مرحوم

صدائے بازگشت

ماہ نامہ اشرفیہ ستمبر ۲۰۱۷ء پر ایک نظر

جناب مدیر محترم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔سلام مسنون

ماہ نامہ اشرفیہ ستمبر ۲۰۱۷ء کا شمارہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ باصرہ نواز ہوا، اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ ماہنامہ اشرفیہ جس اعتدال کے ساتھ اپنی صحافتی ذمہ داریاں نبھا رہا ہے اور جس خوبی کے ساتھ مسلمانوں کے اندر فکری اور عملی تبدیلیاں لانے میں کوشاں ہے اس چیز نے اسے بر صغیر کے دیگر مذہبی رسائل میں اپنی منفرد شناخت قائم کرنے میں بہت حد تک کامیابی سے ہمکنار کر دیا ہے جس کے لیے اشرفیہ کی پوری ٹیم اور بالخصوص مدیر اعلیٰ، آبروئے صحافت حضرت علامہ مبارک حسین صاحب قبلہ پوری جماعت اہل سنت کی طرف سے اپنی انتھک کاوشوں اور ملت کے اس سچے ترجمان کو بلندیوں پر لے جانے کے لیے شکریہ کے مستحق ہیں۔

زیر نظر رسالہ کے تمام مشمولات عمدہ اور لائق مطالعہ ہیں خاص طور سے اس ماہ کا اداریہ حالات حاضرہ اور اس کے تقاضوں کی نہ صرف بھرپور عکاسی کر رہا ہے بلکہ موجودہ دھماکہ خیز حالات میں مسلمانوں کی دینی ذمہ داریوں کی طرف بھی پوری پوری رہنمائی کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ملکی حالات پر جو تجزیہ پیش کیا گیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

”عصر حاضر“ کے تحت حضرت علامہ مفتی نظام الدین صاحب قبلہ کی ایک مختصر تحریر کو شامل کیا گیا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود بے پناہ افادیت کا پہلو لیے ہوئے ہے، ذیلی عنوان کے تحت صرف ایک جملہ ”قانون بنانے کا اختیار جسے بھی ہو مگر اسلامی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کا اختیار آپ کو حاصل ہے، پھر مایوسی کیوں؟“ حالات کے دباؤ میں مایوسیوں کا شکار ہونے والے تمام مسلمانوں کے لیے نہ صرف امید افزا ہے بلکہ اسلامی اقدار و روایات یا شرعی احکامات میں غیروں کی دخل اندازی اور چیرہ دستی کا بہترین جواب بھی ہے، ظاہر سی بات کہ اگر ایک مسلمان ملکی قوانین سے صرف نظر کر کے اپنی زندگی کے ہر اتار چڑھاؤ میں اسلامی شریعت سے رہنمائی لینا چاہتا ہے تو پھر اسے کون منع کر سکتا ہے؟ ہاں یہ اور بات ہے کہ ہمارے اپنے کردار اور مذہب سے دوری نے یہ دن دیکھنے پر مجبور کیا ہے۔

اس بار جناب غلام رسول دہلوی صاحب جدید فکر پر مبنی نگارشات لے کر اشرفیہ کی انجمن میں باریاب ہوئے ہیں، قدیم صالح اور جدید نافع کے باہمی امتزاج کو لے کر علما اور فارغین مدارس کے اندر بیداری کے لیے انہوں نے جو بھی لکھا اس سلسلہ میں ان کے اخلاص پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا ہے تاہم ایک دو مقامات ایسے ہیں جہاں ان کی رائے سے اتفاق کرنا قدرے دشوار ہے، مثلاً مدارس اسلامیہ کے موجودہ نصاب تعلیم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ مذہبی، مسلکی اور مشربی اختلافات سے بھرا ہوا ہے۔ یہاں اگر مذہبی اور مسلکی اختلافات سے مراد احناف و شوافع کے اختلافات ہیں تو یہ بات قبول کی جا سکتی ہے مگر جہاں تک ہماری واقفیت کام کر رہی ہے ہندوستان کے تمام مدارس اسلامیہ میں ”مشربی اختلافات“ پر مبنی کوئی مواد داخل نصاب نہیں ہے اور نہ ہی ایسی کوئی کتاب یہاں پڑھائی جاتی ہے جس سے مشربی معاملات میں نزاعی کیفیت پیدا ہو، اب یہ تو صاحب مقالہ ہی نشاندہی فرمائیں کہ نصاب تعلیم میں وہ کون سی کتاب ہے جو ”مشربی اختلافات“ سے مملو ہے؟ اسی طرح یہ بات کہ ”وہ دن چلے گئے جب گلستاں اور بوستاں جیسی کتابیں مدارس کے نصاب کا حصہ تھیں“ زمینی حقیقت سے لگا نہیں کھاتی۔ اس لیے کہ یہ دونوں کتابیں آج بھی داخل نصاب ہیں اور ملک کے تقریباً تمام معروف مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں۔ خیر ان باتوں سے قطع نظر مضمون کی افادیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ہاں اگر اس مضمون میں مذکور ”تین سالہ کورس“ میں داخلہ لینے اور اس کے دیگر مراحل کو بھی تفصیل کے ساتھ بتا دیا جاتا تو اس کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جاتا۔

از: محمد عابد چشتی ثقافی

استاد جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف

بلیو وہیل گیم اور اس کا قہر

مکرمی! اس حقیقت سے بالکل انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جدید ٹیکنالوجی نے انسانی زندگی میں ایک نیا انقلاب برپا کر دیا ہے۔ آج پوری دنیا اس کے ذریعے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہی ہے جدید ٹیکنالوجی نے انسان کو زمین کی پستی سے اٹھا کر آسمان کی بلندی تک پہنچا دیا ہے، اسی کا ایک اہم حصہ انٹرنیٹ ہے جس کے ذریعے مہینوں کا کام منٹوں میں انجام دیا جاتا ہے، ایک ملک کی خبر دوسرے میں پلک جھپکتے ہی حاصل کر لی جاتی ہے، انٹرنیٹ کے بے شمار فوائد

ہیں جس سے آج پوری دنیا استفادہ کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کے جتنے فوائد ہوتے ہیں اسی حساب سے اس کے نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ ایسا ہی کچھ حال انٹرنیٹ بھی ہے جہاں انٹرنیٹ نے نئی نسلوں کو تیز رفتار زندگی گزارنے کا سلیقہ دیا ہے وہیں نوجوان نسلوں کو زندگی برباد کرنے کا انتہائی مضر نسخہ بھی فراہم کیا ہے۔

ابھی حال ہی میں انٹرنیٹ کے ذریعے ایک نئے ویڈیو گیم نے ہمارے ملک کے دروازے پر دستک دی ہے، اس گیم کا نام بیلو وھیل ہے۔ اس گیم نے اب تک پوری دنیا میں ۲۰۰ سے زائد لوگوں کی جانیں لے لی ہیں، جس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

بلو وھیل گیم کا آغاز روس کے ایک فلپ نامی شخص نے ۲۰۰۳ میں کیا تھا۔ اس گیم کا تصور ساحل پر آنے والی وھیل مچھلی سے لیا گیا ہے، ساحل پر پھنسنے والی کچھ وھیل خودکشی کرنے کے لیے ساحل کا رخ کرتی ہے۔ اس گیم کے آخر میں بھی کھلاڑیوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ حالاں کہ اس گیم کے موجد فلپ کو مئی ۲۰۱۷ میں پولیس کی حراست میں لے لیا گیا تھا، فلپ کے مطابق اس گیم کے بنانے کا مقصد خودکشی کے ذریعے معاشرے کے بے کار لوگوں کا صفایا کرنا ہے۔

اس گیم کے کھیلنے کا ایک خاص طریقہ ہے جس کے ذریعے کھلاڑیوں کو خودکشی کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ابتدا کھلاڑیوں کو ۵۰ ٹاسک دیے جاتے ہیں ان ٹاسک کو پورا کرنے کا تصویری ثبوت بھی فراہم کرنا ہوتا ہے گیم کا ابتدائی مرحلہ عام ٹاسک سے شروع ہوتا ہے، جیسے آدھی رات کو ڈراونی فلم دیکھنا یا قبرستان جاکر سِلفی لینا، اس کے بعد دھیرے دھیرے ٹاسک مشکل تر ہوتا جاتا ہے، کھلاڑی خود کو نقصان پہنچاتا ہے منشیات کی زیادہ مقدار لینی ہوتی ہے۔ ان تمام مراحل میں کھلاڑی اپنی ذاتی شناخت اور خفیہ معلومات بھی گیم ایڈمنز کو فراہم کرتا رہتا ہے، گیم کا ہر ٹاسک مکمل کرنے پر کھلاڑی کو کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے بازو پر چاقو سے نشان بنائے، یہاں تک کہ بازو پر بلو وھیل کی شکل بن جاتی ہے۔ گیم کے آخری ٹاسک میں کھلاڑیوں کو خودکشی کرنے کے لیے کہا جاتا ہے اس سے انکار کرنے پر کھلاڑی کو اس کی ذاتی معلومات شائع کرنے کی دھمکی دی جاتی ہے جس سے مجبور ہو کر کھلاڑی موت کو گلے لگا لیتا ہے۔

اس خطرناک گیم میں پھنس کر ہمارے ملک میں بھی کئی نوجوان اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اگست ۲۰۱۷ کو ممبئی کے اندھیری علاقے میں ایک چودہ سالہ نوجوان نے اسی چکر میں خودکشی کر لی تھی، جس معاملے کو لے کر این سی پی کے ممبر اسمبلی اجیت داد پوار نے مہاراشٹر اسمبلی میں آواز بلند کی تھی اور اس گیم پر ملک بھر میں پابندی لگانے کا مطالبہ بھی کیا تھا جس پر مہاراشٹر کے وزیر اعلیٰ نے مرکزی حکومت سے بات چیت کر کے ٹھوس قدم اٹھانے کی یقین دہانی کرائی تھی۔ لیکن یہ معاملہ صرف یقین دہانی تک ہی رہا اور ۱۰ ستمبر کو اتر پردیش کے ایک ۱۹ سالہ نوجوان کی موت بھی اسی گیم کے ذریعے ہوگئی۔ یوں ہی گیارہ ستمبر کو اڑیسہ کے ایک اسکول میں ایک طالبعلم یہ گیم کھیلتا ہوا پکڑا گیا جس پر خوف و دہشت چھائی ہوئی تھی اور دماغی توازن بھی برابر کام نہیں کر رہا تھا، لیکن بروقت اسکول کے پرنسپل نے بچوں کی اطلاع پر پولیس کو خبر دی اور طالب علم کو علاج کیلیے ہسپتال میں داخل کیا گیا۔

اس پورے معاملے کی حساسیت کو دیکھتے ہوئے مرکزی حکومت کو چاہیے کہ وہ فوراً اس قسم کے خطرناک گیم پر ملک بھر میں پوری طرح سے پابندی عائد کرے اور اس گیم کو فروغ دینے والے گروہ کو گرفتار کر کے انہیں سخت سے سخت سزائیں دے۔

وہیں والدین اپنے بچوں پر سخت نگاہ رکھیں، انھیں انٹرنیٹ کا غلط استعمال کرنے سے روکیں۔ گاہے بگاہے اپنے بچوں کا موبائل فون بھی چیک کرتے رہیں۔ والدین کی نگرانی سے بہت حد تک ایسے معاملات پر قابو پائے جاسکتے ہیں۔

اس گیم کے قہر کو مد نظر رکھتے ہوئے اسکولوں، کالجوں اور مدرسوں میں بھی اساتذہ کو چاہیے کہ وہ بچوں کو اس گیم سے دور رہنے کی نصیحت کریں اور موبائل کے صحیح استعمال کی ہدایت بھی دیتے رہیں۔ البتہ اس حوالے سے جو سب سے اہم اور قابل غور پہلو ہے وہ یہ ہے کہ اٹھارہ اور بیس سال کی عمر سے پہلے پہلے اپنے بچوں کو ہرگز اینڈرائیڈ موبائل فون کی سہولت فراہم نہ کریں، بلکہ سادہ موبائل فون دے کر ان کا مستقبل تاریک ہونے سے بچائیں۔

از: محمد قمر رضا در بھنگوی، متعلّم جامعہ اشرفیہ مبارک پور

ماہِ صفر کا آخری بدھ اور اس کی حقیقت

اللہ رب العزت نے ہر چیز پیدا فرمائی ہے۔ اس میں دن، ہفتہ، مہینہ، سال سب شامل ہیں اور سب کا ذکر اپنی کتاب قرآن مجید میں فرمایا، سال کا ذکر اور مہینوں کی تعداد کا ذکر بھی فرمایا۔ ”بے شک مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہیں۔ اللہ کی کتاب میں اس نے

آسمانوں اور زمین کو بنایا۔" (سورہ توبہ، کنزالایمان)

اس آیت کریمہ میں اللہ نے قمری سال کے مہینوں کا ذکر فرمایا ہے اور آگے یہ بھی فرمایا: "یہ سیدھا دین ہے تو ان مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو۔" یعنی پورے سال اللہ کے بتائے راستوں پر چلو۔ طرح طرح کے رسم و خرافات میں پڑ کر اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ آج مسلم معاشرے میں ان گنت خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک دو ہوں تو گنوایا جائے، دو چار ہوں تو رونا رویا جائے۔ مذہب اسلام رسم و رواج کو مٹانے آیا ہے۔ افسوس آج اسی مذہب کے ماننے والے بعض لوگ رسم و رواج کو پکڑے ہیں۔ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعاؤں کے ساتھ علمائے کرام کی ذمہ داری ہے کہ نشاندہی فرماتے رہیں۔ صفر المظفر اسلامی سال کا دوسرا مہینہ ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں اور ان کا گمان ہے کہ اس ماہ میں بکثرت مصیبتیں اور آفتیں نازل ہوتی ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ شریعت مصطفویہ نے نزول آفات سے انکار کیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ماہ صفر میں بیماری، نحوست اور بھوت پریت کا نزول نہیں ہوتا۔ (مسلم) دوسری حدیث پاک یوں ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چھوت لگنا، بد شگونی لینا اور صفر کا منحوس ہونا یہ سب لغو خیالات ہیں۔ البتہ جذامی (کوڑھی) شخص سے ایسا بھاگتا رہ جیسے کہ شیر سے بھاگتا ہے۔ (بخاری شریف ۵۷۰۷) بخاری شریف میں یہ حدیث بھی مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: چھوت (بیماری) لگ جانا، بدشگونی، شیطانی گرفت (بھوت چڑھنا) یا صفر کی نحوست کوئی چیز نہیں۔ (بخاری ۵۷۵۷)

ماہِ صفر منحوس نہیں: اسلامی سال کے دوسرے مہینے کا نام صفر ہے۔ محبوب خدا ﷺ کی بعثت سے پہلے ماہِ محرم میں جنگ حرام تھی۔ جب صفر کا مہینہ آتا تو عرب جنگ کے لیے چلے جاتے اور گھروں کو خالی چھوڑ دیتے تھے۔ اس لیے اس کو صفر کہا جانے لگا۔ ماہ صفر کو لوگ منحوس مانتے ہیں۔ اس میں شادی بیاہ نہیں کرتے اور لڑکیوں کو رخصت نہیں کرتے اور بھی بہت سے کام کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور صفر کو منحوس سمجھ کر سفر نہیں کرتے، خصوصاً صفر کی شروع کی تیرہ (۱۳) تاریخیں بہت منحوس مانی جاتی ہیں اور ان کو تیرہ تیزی کہتے ہیں۔ یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔

آخری چہار شنبہ (بدھ) کیا ہے؟ صفر کے آخری بدھ کے متعلق لوگوں میں مشہور ہے کہ اس روز حضور ﷺ نے مرض سے صحت پائی اور آپ ﷺ نے غسل صحت فرمایا اور مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔ یہ سب باتیں بے اصل ہیں اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ مرض جس میں آپ نے وفات پائی اس کی شروعات اس دن سے ہی بتائی جاتی ہے۔ تاریخ سے پتہ چلتا ہے ماہ صفر کے آخری بدھ سے آپ ﷺ کا مرض شروع ہوا اور ۱۲/ ربیع الاول کو وصال ہوا۔ مسلمانوں کے لیے عبرت کا مقام ہے کہ پیغمبر کی بیماری پر جشن منائیں۔ یہ غلط بات مشہور ہے کہ آپ نے اس دن غسل صحت فرمایا۔ کتابوں میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ حضور کی صحت یابی کی خوشی میں کچھ لوگ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نہاتے دھوتے ہیں اور خوب اچھے اچھے کھانے بناتے کھاتے ہیں، اہل و عیال کے ساتھ تفریح کے لیے نکل جاتے ہیں اور طرح طرح کی خرافات کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہیں۔ کچھ لوگ اس کو نحس مان کر گھر کے مٹی کے پرانے برتن گھڑا وغیرہ توڑ دیتے ہیں یہ بھی غلط ہے اس کی بھی کوئی حقیقت نہیں۔ خوشی منانا اور منحوس سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں جس کا ذکر اوپر احادیث طیبہ میں آچکا ہے۔ چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں، ایمان میں جلا پیدا فرمائیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے مجھے صفر سے رنگے ہوئے دو کپڑوں کو پہنے دیکھا تو فرمایا: تجھے تیری ماں نے یہ کپڑے پہننے کا حکم دیا ہے۔ میں نے عرض کیا میں اس رنگ کو دھو ڈالوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا (نہیں) بلکہ اسے جلا ڈالو۔ (مسلم جلد ۳، حدیث ۵۳۳۵)

ماہ صفر کی نفل نمازیں: پہلی تاریخ یا جب بھی وقت میسر آجائے نماز عشا کے بعد مسلمانوں کو چاہیے کہ چار رکعات نماز ماہ صفر میں پڑھیں (یاد رہے فرض پہلے پڑھیں۔ ایسا نہیں کہ فرض نہ ادا کریں اور نفل ادا کریں) پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون پڑھیں اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص، تیسری میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ فلق، چوتھی میں سورۃ الناس۔ سلام کے بعد گیارہ (۱۱) بار ایاک نعبد وایاک نستعین، پھر ۷۰ بار درود شریف پڑھ کر توبہ استغفار کریں تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑا ثواب عطا فرمائے گا اور اسے بلاؤں سے محفوظ فرمائے گا۔ اور بھی نوافل بزرگوں سے منقول ہیں (راحت القلوب)۔

نوٹ: یہ نوافل احادیث طیبہ سے ثابت نہیں۔ البتہ بعض بزرگوں کا معمول رہا ہے۔ اس لئے پڑھ لینے میں حرج نہیں۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام میں کوئی دن اور کوئی تاریخ و

مہینہ منحوس نہیں ہے۔آپ ﷺ نے ہمیں بتلایا کہ ماہ صفر میں کوئی نحوست نہیں۔اس ماہ میں ہجرت کے پہلے سال مقامِ ابواء پر غزوہ ہوا جس میں آپ ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے تھے۔تیسری ہجری ماہ صفر قبیلہ عضل اور وقارہ کے لوگ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئے۔اس ماہ صفر نو ہجری میں بنی عذرہ کے بارہ لوگوں نے دربارِ رسالت میں حاضر ہوکر بسر و چشم اسلام قبول کیا۔

از: حافظ محمد ہاشم قادری hhmhashim786@gmail.com

عرس عزیزی کی اہم ترین سوغات
مجددینِ اسلام نمبر اور مجتہدینِ اسلام نمبر

مسلم معاشرے میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی تاریخِ وصال پر عرسِ مقدس کی تقریبات منعقد کرنے کا رواج ہے۔ایک خوش عقیدہ مسلمان ان تقریبات میں شریک ہوتا ہے تو کبھی پھولوں کی چادر کا نذرانہ پیش کرتا ہے، کبھی زائرین کی ضیافت کے لیے تیار کیے جانے والے لنگر میں حصہ لیتا ہے، کبھی لائٹ، مائک، پنڈال، شامیانہ، مقررین و شعراو نقبا کی مدارت میں اپنا تعاون پیش کرتا ہے، پھر واپسی کے وقت زائر حسبِ توفیق کبھی الائچی دانہ اور غبارہ اور کھلونے کا تحفہ لے کر گھر والوں کو عرس کی حاضری کی خوش خبری سناتا ہے۔

مگر غالباً تمام تقریباتِ عرس میں استاذنا المکرم مخدوم گرامی قدر ابوالفیض جلالۃ العلم حضور سیدی حافظِ ملت علامہ شاہ مفتی حافظ عبد العزیز محدث مراد آبادی بانی الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور علیہ الرحمۃ والرضوان کا عرس اس لحاظ سے امتیازی شان اور تاریخی مقام رکھتا ہے کہ اس مبارک موقع پر ابوالفیض کی فیض رسانی، جلالۃ العلم کی علمی وراثت، حافظِ ملت کے جذبۂ حفاظتِ ملت کا سہارا لے کر طلبۂ اشرفیہ اپنی خوش عقیدگی کا تحفہ، محشر کی دھوپ میں چادرِ رحمت بن کر سروں پر سایہ کرنے والا ایمان و عقیدت کا شامیانہ دنیا و آخرت کی دونوں زندگیوں میں مٹھاس پیدا کرنے والی سوغات اور جنت کی بہاروں میں فرحت و انبساط اور سرور و نشاط بخشنے والا سامانِ راحت نذر کیا کرتے ہیں۔۲۰۱۶ء میں مجددینِ اسلام اور ۲۰۱۷ء کے عرس عزیزی کے حسین موقع پر شائع شدہ مجتہدینِ اسلام جیسی عظیم و مفید کتابوں کی اشاعت یقیناً چادر و گاگر اور لنگر و الائچی دانہ سے بہت زیادہ قابلِ قدر، لائقِ تقلید خراجِ عقیدت اور بیش بہا تبرک ہے۔فجزاہم اللہ تعالیٰ۔

درجۂ رابعہ سے لے کر فضیلت اور اختصاص فی الحدیث والفقہ والادب کے جن باصلاحیت و قابلِ رشک طلبہ کے مضامین کو مذکورہ بالا نمبروں میں عزت و شرافت کی جگہ دستیاب ہوئی ہے وہ یقیناً ان طلبہ کے روشن مستقبل اور خدمتِ دین و ملت کے جذبۂ صادقہ پر دال ہے۔میں صمیمِ قلب اور خلوص دل کے ساتھ ان طلبہ کو اور ان کے نگراں و رہنما اساتذہ کو اور اساطینِ اشرفیہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند قدوس ان دینی خدمات، قلمی کاوشات اور فکری نگارشات کو قبول فرمائے اور حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ کے فیضانِ علم و عمل اور وراثتِ فضل و کمال کو دور تک اور دیر تک پھیلاتے رہنے کا حوصلہ، توفیق اور راہ کی آسانیاں مرحمت فرمائے۔آمین۔

تنظیم پیغامِ اسلام مبارک پور کی جانب سے شائع کی جانے والی دونوں مفید ترین کتابوں میں درج شدہ مجددینِ اسلام و مجتہدینِ اسلام کے حیات بخش و ایمان افروز تذکروں سے یہ بات دو دو چار کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان سب کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کے غلاموں کو ان مقدس بارگاہوں سے جوڑنا ہے۔ان بارگاہوں سے توڑنا کسی کے لیے کبھی بھی، کہیں بھی کسی بھی طرح پیشِ نظر نہیں رہا ہے۔اور وہ تمام حضرات یقیناً اپنا ہدف پانے اور رضائے خدا و رسول جل جلالہ و ﷺ حاصل کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔فالحمد للہ رب العالمین۔

یہ کس قدر حیرت و افسوس کی بات ہے کہ اسلام کے مجددین و مجتہدین و دیگر علمائے حقانی دینِ اسلام کی حفاظت و اشاعت کے لیے سر دھڑ کی بازی لگائے رہے اور اپنی تقریروں و تحریروں سے مذہبِ حق کا نکھرا خد و خال دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے، آج اسی مذہبِ مہذب کا نام لے کر اور دین کی اشاعت و سربلندی کا راگ الاپ کر اسلام کے حسین چہرے کو داغ دار اور اہلِ اسلام کو دینِ حق سے بیزار کرنے پر بہت سے داڑھی ٹوپی والے افراد میدان میں اچھل کود کر رہے ہیں۔بقول مولوی حسین احمد ٹانڈوی وہابیہ کا خیال ہے کہ رسولِ مقبول علیہ الصلاۃ والسلام کی حیات فقط اسی زمانے تک تھی جب تک وہ دنیا میں تھی، بعدِ ازاں وہ اور دیگر مومنین موت میں برابر ہیں۔ (الشہاب الثاقب، ص:۴۵) یہی ٹانڈوی جی اسی کتاب کے ص: ۶۷/ پر لکھتے ہیں، وہابیہ سوائے علمِ احکامِ شرعیہ، جملہ اسرارِ حقانی وغیرہ سے ذاتِ سرورِ کائنات ﷺ کو خالی جانتے ہیں۔اسی کتاب کے ص:

۶۶/ پر ہے، وہابیہ درود و سلام کی کثرت اور دلائل الخیرات شریف، قصیدۂ بردہ شریف اور قصیدۂ ہمزیہ جیسی کتابوں کے پڑھنے اور اس کے ورد کو سخت ناپسندیدہ بلکہ شرک جانتے ہیں۔ اسی کتاب کے ص:۴۵/ کی ایک عبارت ہے: زیارتِ حضورِ اکرم ﷺ، حضور آستانۂ شریفہ و ملاحظۂ روضۂ مطہرہ کو یہ طائفہ بدعت و حرام لکھتا اور اس نیت سے سفر کرنا محظور و ممنوع جانتا ہے بعض ان میں سفرِ زیارت کو معاذ اللہ زنا کے درجے کو پہنچاتے ہیں۔

تاریخِ نجد و حجاز، ص:۱۵۱ کا یہ حوالہ بھی ملاحظہ ہو، محمد بن عبد الوہاب کہا کرتا تھا کسی فاحشہ عورت کے کوٹھے میں ستار بجانے سے اس قدر گناہ نہیں جس قدر گناہ مسجد کے میناروں میں حضور ﷺ پر درود پڑھنا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی ذاتی تفسیر ملاحظہ ہو: ”پردہ والی آیت خاص نبی پاک ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے بارے میں وارد ہوئی ہے، امت کی دوسری عورتوں کے لیے نہیں ہے۔(بنیان مرصوص، ص:۱۶۸) اخبارِ اہل حدیث کا یہ بیان دیکھا جائے: آیاتِ قرآن مجید اور ان کے احکام عہدِ نبوی کے لوگ اور صحابۂ کرام کے لیے ہی مختص تھے۔(۹/ جولائی ۱۹۱۵ء، ص:۱)

یہ عبارتیں صاف ظاہر کر رہی ہیں کہ مجدد دین و مجتہدین اسلام قدست اسرارہم نے جس دینِ خالص کی خدمت کی تھی، اس دین میں ان بیہودہ اباطیل اور کفری فسادات کا قطعًا کوئی گزر نہیں ہے بلکہ ان خباثتوں نے دینِ پاک کے مقدس چہرے کو داغ دار کرنے کی ناپاک و ناکام جسارت کی ہے۔ اور یہ حیرت مستزاد اور افسوس متضاعف ہو جاتا ہے کہ مولوی اشرف علی تھانوی انھیں خبیث عقائد و افکار سے اپنی وابستگی کا فخریہ اظہار کرتے ہیں، یہاں وہابی رہتے ہیں، یہاں فاتحہ نیاز کے لیے کچھ مت لایا کرو۔(اشرف السوانح، ج:۱، ص:۴۵) مولوی منظور نعمانی جھوم کر نعرہ لگاتے ہیں، ہم سب سے بڑے سخت وہابی ہیں، اس پر مولوی زکریا شیخ الحدیث مظاہر العلوم مصرع لگاتے ہیں، خود تم سب سے بڑے وہابی ہو۔(سوانح مولانا یوسف، ص:۱۹۲)

یہ کتنی شرم و بے غیرتی کی بات ہے کہ آج بھی مذکورہ بالا ملاؤں کے ماننے والے ان کو دودھ کا دھلا اور ”برعکس نہند نام زنگی کافور“ دین کا رہ نما اور پیشوا ثابت کرنے میں پورا سرمایۂ بے عقلی خرچ کرتے رہتے ہیں۔ خدا ان لوگوں کو ہدایت دے۔

میں ایک بار طلبۂ اشرفیہ کو مبارک باد دیتا ہوں، آپ تمام دین کے خادموں کی پشت پناہی حضور سیدی حافظِ ملت ــــــ کی روحانیت فرما رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو، اشرفیہ کو اور عالمِ اسلام کے تمام اہلِ سنت و جماعت کو شاد و آباد و بامراد رکھے۔ آمین۔

از: حامد القادری تیغی مصباحی غفرلہ

خانقاہ قادری، تھتھیاں شریف، مظفرپور، (یوپی)

جانچ کے راڈار پر مدارس

جناب مدیر محترم ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلام مسنون

ریاست اتر پردیش کی موجودہ حکومت بننے کے بعد منظور شدہ و امداد یافتہ مدارس کے ذمہ داران کو جانچ کے مختلف مراحل سے گزرنا پڑ رہا ہے، حکومت کی ہدایت پر اب تک پانچ بار جانچ کرائی جا چکی ہے۔ معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ہر جانچ میں اہلِ مدارس کو رشوت اور نذرانہ کے نام پر ہزاروں روپے کی ادائیگی کرنی پڑی ہے، اسی پر بس نہیں، موجودہ حکومت کے اقتدار میں آنے کے بعد مدارس اور علما مخالف تنظیمیں بھی سرگرمِ عمل نظر آ رہی ہیں تو کچھ لوگ اپنی ذاتی رنجش اور دشمنی نکال کر مدارس اور علما کو بدنام کر رہے ہیں۔ ریاست کے تمام اضلاع کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ ایسے لوگ روزانہ ضلع اقلیتی افسر سے لے کر ڈی ایم اور ڈائریکٹر، رجسٹرار اور وزیرِ اعلیٰ کے نام شکایتی مکتوب ارسال کر کے مدارس اور ذمہ دارانِ مدارس کو بدنام کر رہے ہیں۔ پھر متعلقہ دفاتر سے اہلِ مدارس کو طلب کر کے جواب مانگا جاتا ہے، جواب ملنے کے بعد بھی شر پسند عناصر خاموش نہیں بیٹھتے ہیں اور اپنی شیطانی کھوپڑی کا استعمال کرتے ہوئے کوئی اور الزام عائد کر کے حکومت اور افسران کو گم راہ کرتے ہوئے اہلِ مدارس کو پریشان اور بدنام کرتے ہیں۔ مدرسہ پورٹل و جن گن من کا شگوفہ چھوڑ کر بھی مدارس کے پاکیزہ ماحول کو داغدار کرنے کی کوشش کی گئی، یہ سارے معاملات انھیں شکایتی خطوط کے ذریعہ منظرِ عام پر لائے گئے، جو لوگ مدارس کے نام پر غلط ڈھنگ سے اپنی کارکردگی دکھا رہے ہیں، فرضی مدرسہ کھول کر حکومت کو چونا لگا رہے ہیں، میں قطعیان کا حامی نہیں ہوں، ایسے لوگوں پر نکیل کسنے کی ضرورت ہے، مگر جو مدرسے چل رہے ہیں انھیں بدنام نہ کیا جائے، حکومت اربوں روپیہ پانی کی طرح بہا کر تعلیمی میدان اور سرو سکشا ابھیان (سب کے لیے تعلیم مہم) میں جو کام نہیں کر پا رہی ہے، مدارس کے ذمہ داران قومِ مسلم کے ذریعہ دیے گ ۓ اپنی گاڑھی کمائی کے چندوں سے وہ کارنامہ انجام دے رہے

ہیں۔ سماج کو تعلیم یافتہ بنانے کے لیے یہی علما جگہ جگہ تقاریر کرنے کے ساتھ ساتھ سخت پریشانیاں اور مصیبتیں جھیل کر ایک ایک روپیہ اکٹھا کرتے ہیں، حکومت کی طرف سے دیگر اداروں کی طرح مدارس کو بلڈنگ فنڈ کے نام پر بجٹ بھی نہیں دیا جاتا ہے، پھر بھی یہ علما اور حفاظ اس کا بھی انتظام کرتے ہیں، اس کی تفصیل حکومت نے ڈی ایم سطح پر جانچ کرا کر دیکھ لی ہے۔ جانچ کے دوران افسران حیرت زدہ رہ گئے کہ اس قدر ایک سے بڑھ کر ایک خوب صورت مدارس کی عمارتیں بنوائی گئی ہیں۔ یقیناً یہ اللہ کے نیک بندوں کی محنت اور خلوص کا ثمرہ ہے۔

میں موجودہ حکومت اور مدارس کے حاسدوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آخر کب تک اہلِ مدارس کو پریشان اور بدنام کیا جاتا رہے گا؟ کیوں نہیں آپ کی نظر سنسکرت پاٹھ شالاؤں اور ششو مندروں کی طرف پڑ رہی ہے، مدارس میں تو بلڈنگ بھی موجود ہے، طلبہ اور اساتذہ بھی نظر آ رہے ہیں، اگر آپ اسی طرح سے ان لوگوں کی بھی جانچ کرائیں تو دودھ اور پانی صاف ہو جائے گا۔ یاد رکھیں کسی بھی شخص کی جانچ پر جانچ کرائی جائے، اگرچہ وہ اپنی جگہ صحیح ہے، پھر بھی پریشانی تو ہو ہی جائے گی۔

مدارس اور علما کی قدر کریں: مدارسِ عربیہ دینی قلعہ ہیں، انھیں چلانے کے لیے اساتذہ و ذمہ دارانِ ادارہ کو در در کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں۔ رمضان المقدس کے بابرکت مہینے میں بھی اہلِ مدارس اساتذہ اپنا گھر بار چھوڑ کر چندہ چٹکی کے لیے دور دراز علاقوں کی خاک چھانتے نظر آتے ہیں، تب جا کر مدرسوں میں ایک دو وقت کا چولھا جل پاتا ہے، حکومت سب کے لیے تعلیم مہم کے تحت کروڑوں اور اربوں روپیہ خرچ کر کے لوگوں کو دستخط وغیرہ کرنے اور پڑھنے کا طریقہ بتاتی ہے، پھر بھی اس میں خاطر خواہ فائدہ نظر نہیں آتا اور ہمارے مدارس کے لیے علما کو مطبخ چلانے سے لے کر طلبہ کی کتاب کاپی، دوا علاج، کمروں کی تعمیر، اساتذہ کی تنخواہ وغیرہ سمیت ہر ایک کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ افسوس کا مقام ہے کچھ لوگ نجی مفاد کی خاطر دن رات صرف اسی چکر میں رہتے ہیں کہ کیسے اس اداروں کو نقصان پہنچائیں۔ چند سکوں کے لالچ میں غیروں سے زیادہ اپنے ہی لوگ حکومت سے لے کر افسران تک کبھی آر ٹی آئی، کبھی خط و کتابت اور فرضی میمورینڈم کا سہارا لے کر دینی مدارس کا وہ بجٹ جو سخت دھوپ، گرمی کے موسم میں اکٹھا کیا ہوتا ہے، پانی کی طرح برباد کراتے ہیں۔ اپنا خون پسینہ بہا کر دینی تعلیمی اداروں کو پروان چڑھانے والے اساتذ ی کی ناگفتہ بہ حالات بھی بیان سے باہر ہیں۔ اکثر تعلیمی اداروں کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوا کہ جو اساتذہ اپنی پوری زندگی دین و ملت کے لیے صرف کر چکے ہیں ان کی سروس بک سے لے کر جی پی ایف بک، یہاں تک کہ پاس بک بھی ذمہ دارانِ ادارہ نے گروی (جبریہ) رکھ لیا ہے۔ جو اساتذہ گاؤں گاؤں اور گھر گھر جا کر چندہ چٹکی کے ساتھ بچوں کا بھی انتظام کراتے ہیں، رمضان میں بامبے، کلکتہ، پونہ وغیرہ کے سفر کے دوران ان کے والد یا والدہ یا یا گھر و رشتہ دار کا کوئی فرد انتقال کر جائے تو وہ جنازے میں بھی شریک نہیں ہو سکتے، جیسا کہ کئی میرے جاننے والے علما کے ساتھ اس طرح کا دردناک حادثہ پیش آ چکا ہے، آج انھیں اساتذہ کو اپنا جی پی ایف وغیرہ کا پیسہ بطور قرض نکالنے کے لیے، ان کے ان کے سامنے گڑگڑانا پڑتا ہے۔ الا ماشاء اللہ، آخر کیوں ان اساتذہ کو پریشان کیا جاتا ہے؟ اپنی دنیا بنانے کے لیے اور اپنا مال بچا کر ان مظلوم اساتذہ کا پیسہ مالِ غنیمت سمجھ کر ذمہ داران کیوں خرچ کرتے ہیں؟ کیا انھیں اللہ کے یہاں اس کا حساب نہیں دینا ہے؟ کیا انھیں مر کر قبر میں نہیں جانا ہے؟ یاد رکھیں جس طرح آپ کے پاس بھرا ہوا کنبہ ہے، ان اساتذہ اور علما کے پیچھے بھی ایک بھرا ہوا آس اور امید لگانے والا کنبہ موجود ہے۔ افسران جو رشوت خور ہیں اگر وہ مجبوری نہیں سمجھ سکتے آپ تو سمجھ سکتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ۲۴ر گھنٹہ ڈیوٹی کرنے والا مدرس اگر ہفتہ کے روز دس منٹ متعلقہ ادارے پر تاخیر سے پہنچا تو اسے غیر حاضر کر دیا جاتا ہے۔ دس منٹ کا قرض چکانے کے لیے یا تو مظلوم مدرس کو ایک روز کی تنخواہ کٹوانی پڑتی ہے، یا ہزاروں ہزار روپیہ جبریہ دعوت کے نام پر صرف کرایا جاتا ہے۔ متاثرہ مدرس جو اپنے بچوں کی پرورش کے لیے ایک کپ چائے صرف اس لیے نہیں پیتا کہ ان پیسوں سے بچوں کی فیس جمع کرنے میں آسانی ہوگی، اسے انتظامیہ کو خوش کرنے کے لیے ہزار دو ہزار کی دعوت کھلانی پڑتی ہے۔ مذکورہ ظالمانہ رویہ سے ملتِ اسلامیہ کا بھاری نقصان موجودہ دور میں یہ دیکھنے کو مل رہا ہے کہ اکثر مظلوم اساتذہ اپنے بچوں کو اب عالم حافظ قاری اور مفتی نہیں بنا رہے ہیں، بلکہ عصری اسکولوں اور کالجوں میں انھیں دنیاوی تعلیم دلا رہے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ہم نے سخت سے سخت اذیتیں برداشت کر لیں، ہمارے بچوں کو ایسی اذیت ناک زندگی گزارنی پڑے ہم یہ نہیں چاہتے۔ اگر ملت کے غیور حضرات اس پر توجہ نہیں دیے تو وہ دن دور نہیں جب کوئی جنازہ پڑھانے والا نہیں ملے گا، اس لیے کہ بڑے لوگ تو پہلے ہی سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے دور رکھتے ہیں۔

از: نور الہدیٰ مصباحی گورکھپوری، لکشمی پور، مہراج گنج

سفر آخـــرت

الحاج سید شاہ نور علی المعروف بہ "حضور عالی" کا وصال پر ملال

خانقاہ سمرقندیہ دربھنگہ کے سجادہ نشیں، بابو حضور علامہ سید شمس اللہ جان مصباحی مد ظلہ العالی کے والد ماجد، منبع شریعت و طریقت حضرت علامہ الحاج الشاہ سید نور علی المعروف بہ "حضور عالی" کا مورخہ ۱۲/ستمبر ۲۰۱۷ء بروز منگل بوقت شب گیارہ بج کر ۳۰ منٹ پر ۱۱۰/سال کی عمر میں وصال پر ملال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مختصر حالات زندگی: حضرت کی پیدائش ایک اندازے کے مطابق ۱۳۲۸ھ/۱۹۰۷ء کو آپ کے آبائی وطن دیہ سادات ضلع زرمت افغانستان میں ہوئی، آپ کا خاندان حسینی سادات کا گھرانہ ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب ۳۷/ واسطوں سے حضرت امام عالی مقام شہید کربلا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جاملتا ہے۔

تعلیم و تربیت: آپ نے ابتدائی عربی و فارسی کی تعلیم اپنے وطن میں رہ کر ہی حاصل فرمائی اور بہت کم عمر یعنی ۱۴/سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوگئے۔ اپنے والد بزرگوار حضرت رہبر شریعت الحاج سید شاہ عبد العلی و چچا محترم ہادیٔ طریقت حضرت سید شاہ عبد الہادی رحمۃ اللہ علیہما کی معیت میں دربھنگہ (ہندوستان) تشریف لائے اور یہاں کے ایک معروف دینی و تعلیمی ادارہ دارالعلوم حمیدیہ المشرقیہ میں کتب متداولہ معقولات و منقولات کی تکمیل فرمائی۔

اجازت و خلافت اور دینی خدمات: علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے اور اس اہم مقصد کی تکمیل کے لیے ایک بار پھر آپ اپنے وطن تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر قندھار کے قریب موضع پنجوائی میں حضرت شیخ طریقت و معرفت سیدنا سرکار میراجان آغا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تربیت میں رہ کر روحانی منازل سلوک طے فرمائی اور اپنے مرشد برحق سے بھرپور استفادہ فرمایا۔

آپ کے مرشد برحق نے آپ کو سلسلۂ نقشبندیہ کی اور والد بزرگوار نے سلسلہ عالیہ قادریہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ مزید یہ کہ آپ کو سلسلہ چشتیہ کی خلافت و اجازت بھی حاصل تھی۔ ابھی آپ اپنے وطن میں رہ کر اپنے مرشد طریقت سے اکتساب فیض فرما ہی رہے تھے کہ بہ ایماے جد امجد حضرت قطب الاقطاب سیدنا و مولانا فدا محمد عبدالکریم المعروف بہ مولانا سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ سمرقندیہ اور پیر و مرشد حضرت سیدنا سرکار میراجان آغا رحمۃ اللہ علیہ کے حکم و ارشاد پر دوبارہ دربھنگہ (ہندوستان) تشریف لائے، جس وقت آپ ہندوستان تشریف لائے آپ کے والد ماجد المعروف بہ چھوٹے سید صاحب وہ چچا محترم المعروف بہ بڑے سید صاحب داعیٔ اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔

دینی ادارے کا قیام: دربھنگہ پہنچ کر ۱۹۶۸ء میں خانقاہ سمرقندیہ کے احاطے میں آپ نے ایک دینی و تعلیمی ادارہ بنام دارالعلوم فدائیہ خانقاہ سمرقندیہ رحم گنج دربھنگہ کی داغ بیل ڈالی۔ تاریخ گواہ ہے کہ روز اول ہی سے یہ ادارہ اپنے مقصد اصلی کی طرف بڑی تیزی سے گامزن ہے اور آج الحمد للہ! اس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، ہر سال شعبۂ حفظ ،قرأت اور فضیلت سے کثیر تعداد میں نونہالان اسلام دستار و سند فراغ حاصل کر کے ملک و بیرون ملک کے طول و عرض میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

دینی، ملی و سماجی خدمات: اس دارالعلوم کے علاوہ بنگال کے گاؤں یاچھورسیا میں دارالعلوم فدائیہ نوریہ کے نام سے دینی و ملی ادارہ قائم فرمایا۔ ان کے علاوہ بہار بنگال ممبئی کے مختلف علاقوں میں آپ کی سرپرستی میں کثیر تعداد میں مساجد اور مکاتب کی بنیاد رکھی گئی جو آج بحسن و خوبی اپنا فریضہ انجام دے رہے ہیں، جن میں شب و روز قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے ایمان افروز ترانے گائے جا رہے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک

آپ نے اپنی جوانی کی عمر سے لے کر ایک لمبے عرصے تک جب تک چلنے پھرنے کے قابل رہے علاقۂ بہار و بنگال کے مختلف مقامات کا کبھی پیدل کبھی بیل گاڑی پر دورہ کر کے اور گاؤں گاؤں بستی بستی جا کر دین و سنیت کا چراغ روشن کیا اور انہیں جہالت کے اندھیروں سے نکال کے علم دین مصطفیٰ (ﷺ) کے نور سے معمور فرمایا۔ جہاں علم کی بو باس نہ تھی۔ آج وہاں آپ کی خدمات سے ہزاروں کی تعداد میں ارباب علم و دانش نظر آ رہے ہیں۔ فللہ الحمد۔

سماجی خدمات پر ایک شہادت: ہندوستان کی عظیم خانقاہ، خانقاہ اشرفیہ حسینیہ کچھوچھہ مقدسہ کے فرزند جلیل شیخ اعظم حضرت علامہ سید اظہار اشرف اشرفی حسینی الجیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بار

حضرت علامہ مولانا اقبال احمد نوری (مرید حضور عالی) ساکن رسیا، گنجریا، اسلام پور سے ممبئی میں ایک ملاقات کے دوران دریافت فرمایا:

مولانا میرے خیال میں آپ کا دولت خانہ گنجریا یا رسیا ہوگا۔

جواب میں مولانا نے رسیا کا نام لیا، شیخ اعظم نے پیر کی بابت دریافت کیا تو مولانا بولے کہ میرے پیر حضور عالی الحاج سید شاہ نور علی مدظلہ النورانی ہیں، حضور عالی کا نام سن کر حضرت شیخ اعظم نے برجستہ ارشاد فرمایا کہ مولانا!

آپ کے علاقے میں سنیت کی خدمت تو سید صاحب ہی کر رہے ہیں۔ ہم لوگ جاتے ہیں، تقریر کر کے صبح چلے آتے ہیں، مہینوں مہینوں علاقے میں رہ کر سید صاحب سنیت کو فروغ دے رہے ہیں، یہ انہیں کا حق ہے۔ ایسے ہی موقع پر کسی شاعر نے کہا ہے۔

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

حضور عالی کی شان رفیع: یوں تو آل رسول ہونا ہی آپ کی سب سے بڑی شان ہے کہ سرکار فرماتے ہیں بروز قیامت ساری نسبتیں اور قرابتیں ختم ہوجائیں گی سوائے میری نسبت اور قرابت کے (کہ وہ بروز قیامت بھی کام آئے گی) (مفہوم حدیث) اس کے علاوہ علما و فضلا نے آپ کا بڑا احترام فرمایا ہے اور آپ کے تئیں بڑی عقیدت کا اظہار فرمایا ہے۔ جب کچھ بدباطنوں نے حضور عالی کو بدنام کرنے کی کوشش کی اور آپ پر صلح کلیت کا الزام لگایا تو آپ نے اپنی صفائی میں ایک بڑی لمبی تحریر سپرد قرطاس فرمائی جسے پڑھ کر حضرت مفتی صوفی عبدالواجد قادری نے آپ کی تائید میں گرامی نامہ عطا فرمایا جس کا یہ حصہ چشم بصیرت سے پڑھیے۔

"دربھنگہ کے سنی مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کی حفاظت کے پیش نظر حضور عالی کی سیادت و مشیخیت کی تحقیق و تفتیش میں نے صرف دربھنگہ میں بیٹھ کر نہیں کی بلکہ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ شاہ سردار احمد صاحب حامدی ـــــ کے ان ممتاز شاگردوں اور مریدوں سے بھی کی جو افغان نژاد ہیں، اور ان دنوں جہاں آپ (حضور عالی) کا وطن ثانی ہے (دینہ، پاکستان) وہاں دینہ کی رضا جامع مسجد میں ایک عظیم الشان اجتماع میں علامہ شاہ احمد نورانی اور علامہ شاہ تراب الحق، علامہ عبد التواب ابن مناظر اعظم اہل سنت مولانا عمر صاحب اچھروی وغیرہم کی موجودگی میں میں نے حضور عالی سے متعلق تحقیق کی، سب نے ان کی بزرگی و سیادت اور رہبر سنت ہونے کی تائید کی۔"

نمازِ جنازہ: آپ کی نماز جنازہ بدھ کا دن گزر کر شب میں بعد نماز عشاء ۹:۳۰ بجے ادا کی گئی۔ آپ کے خلف اکبر بابو حضور حضرت علامہ سید شاہ الحاج شمس اللہ جان مصباحی مدظلہ العالی نے ادا کرائی۔ اخباری رپورٹ کے مطابق ڈیڑھ لاکھ سے زائد عوام و خواص نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔

ملت کا عظیم خسارہ: آپ کے وصال پر ملال سے ملت کا عظیم نقصان ہوا ہے، دنیائے سنیت میں ایسا خلا پیدا ہوا ہے جسے آسانی سے پر نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالی ان کے جانشین کو مزید توفیق خیر عطا فرمائے تاکہ سنیت کو فروغ و استحکام حاصل ہو۔ کہ وہی کارساز حقیقی اور نعم الوکیل ہے۔

منقبت

درشانِ حضور عالی الحاج سید شاہ نور علی رحمۃ اللہ علیہ

سنیت کے پاسباں تھے سیدی نورِ علی
عظمتوں کے اک نشاں تھے سیدی نورِ علی
عالمِ علم شریعت تھے طریقت آشنا
علم کا کوہِ گراں تھے سیدی نورِ علی
ہر گھڑی وہ غرق رہتے تھے نبی کے عشق میں
شانِ بزمِ عاشقاں تھے سیدی نورِ علی
جاری ہے جاری رہے گا فیض اُن کا دہر میں
فیض کا بحر رواں تھے سیدی نورِ علی
گلشنِ شبیر و شبر کے شگفتہ پھول تھے
فاطمہ زہرا کی جاں تھے سیدی نورِ علی
جن کے اک نورِ نظر ہیں سیدی بابو حضور
نور نگہ کاملاں تھے سیدی نورِ علی
دین کی خیرات بٹتی تھی جہاں سے دوستو
وہ متاعِ دو جہاں تھے سیدی نورِ علی
صاف کہدوائے محامدؔ آج تم اس بزم میں
آلِ ختم مرسلاں تھے سیدی نورِ علی

از: عبدالمجید مصباحی
استاذ دارالعلوم فدائیہ خانقاہ سمرقندیہ، دربھنگہ

ہماری والدہ محترمہ کی وفات حسرت آیات

۴؍ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ /۲۵؍ ستمبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ مبارکہ بعد نمازِ عشا ۹؍ بج کر ۷؍ منٹ پر میری والدہ ماجدہ اس دارِ فانی سے دارِ بقا کی طرف کوچ کر گئیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن بروز منگل بعد نمازِ ظہر نمازِ جنازہ ادا کی گئی، نمازِ جنازہ بڑے بھائی مولانا شمیم احمد قادری سابق استاذ مدرسہ منظرِ حق ٹانڈہ نے پڑھائی۔ نمازِ جنازہ میں بہت زیادہ لوگ شریک ہوئے، جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ و طلبہ کی ایک بڑی تعداد حضرت مولانا محمد احمد مصباحی ناظمِ تعلیمات جامعہ ہذا و حضرت شیخ الجامعہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کی قیادت میں نمازِ جنازہ میں شریک ہوئی۔ والدہ ماجدہ بڑی دین دار خاتون تھیں، نماز، روزہ و تلاوتِ قرآن کریم اور اوراد و وظائف یومیہ کی بڑی پابند تھیں۔، یہی وجہ ہے کہ اپنے بچوں کی دینی و علمی تربیت خوب کی، باوجود معمر خاتون ہونے کے تاحیات پردہ نشینی میں بے مثال تھیں، بلا ضرورت کہیں آنے جانے سے ہمیشہ اختیاط کرتی تھیں۔ قریب سو سال کی عمر میں وفات ہوئی، الحمد للہ اپنے معمولاتِ یومیہ میں اخیر وقت تک مجبور نہ ہوئیں۔ بارہ سال قبل زیارتِ حرمین شریفین سے مشرف ہوئیں۔ پس ماندگان میں ۴؍ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں جن میں ۳؍ بیٹے مشہور عالمِ دین ہیں اور بیٹیاں بھی ضروری دینی تعلیم سے آراستہ ہیں۔ ایک لڑکے حافظِ قرآن تھے جو تیس سال قبل انتقال کر گئے۔ آج بھی مرحومہ کا پورا کنبہ دینی و عصری تعلیم و تربیت سے خوب آراستہ ہے اور اکثر افراد تبلیغِ دین میں مشغول ہیں۔ والد محترم فیاض احمد مرحوم بھی اپنے زمانے کے مشہور تعلیم یافتہ لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے، جن کا انتقال ۱۵؍ سال قبل یکم ذی الحجہ کو ہوا۔ اللہ تعالیٰ والدین کریمین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس ان کا مسکن بنائے، آمین۔ قارئینِ کرام سے مغفرت کی درخواست ہے۔

از: محمد اختر کمال قادری، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور

نوٹ: حضرت مولانا اختر کمال قادری فاضل اشرفیہ اور باصلاحیت عالمِ دین اور استاذ جامعہ اشرفیہ ہیں، نیک سیرت اور بلند اخلاق ہیں، یہی حال ان کے دیگر برادران کا بھی ہے۔ حضرت مولانا شمیم احمد قادری دام ظلہ العالی اور ایک برادر جو باکمال عالمِ دین ہیں وہ بفضلہٖ تعالیٰ ناگ پور میں دین و سنیت کی خدمات انجام دے رہے ہیں، چوتھے برادرِ گرامی عالم نہیں مگر نیک و صالح انسان ہیں۔

جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے بڑی تعداد میں اساتذہ اور طلبہ نے شرکت فرمائی، ناظمِ تعلیمات اور شیخ الجامعہ کا ذکر ہوا، دیگر حضرات میں حضرت علامہ عبد الحق رضوی، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی، حضرت مولانا مسعود احمد مصباحی اور راقمِ سطور مبارک حسین مصباحی وغیرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی مغفرت فرمائے، پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ آمین۔

از: مبارک حسین مصباحی

الحاج نور الدین انصاری (اعظم گڑھ) کی والدہ کا انتقال

عمدۃ القرا جناب الحاج مولانا حافظ قاری محمد اسلام اللہ اعظمی ساحلؔ عزیزی (ماہم، ممبئی) اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا بدر القادری مصباحی (ہالینڈ) سابق مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی خوش دامن صاحبہ کا جمعہ کی شب ۲۲؍ محرم کو ۹؍ بجے انتقال ہو گیا۔ مرحومہ عرصہ سے بیمار چل رہی تھیں، ان کے بڑے صاحب زادے الحاج نور الدین انصاری سابق منیجر اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور صلاح الدین انصاری ایڈوکیٹ گھر پر موجود تھے، جب کہ حسنِ اتفاق سے دوسرے صاحب زادے الحاج شرف الدین (عرف گڈو بھائی) چند روز قبل ہی ہالینڈ سے آ گئے تھے۔ ایک صاحب زادے سعودیہ میں ہیں وہ نہ آسکے، مرحومہ جناب الحاج علیم الدین مرحوم عرف دفتری صاحب کی اہلیہ تھیں، مرحومہ ایک نیک خاتون تھیں، بچوں، بچیوں کی اچھی تربیت کی تھی، صاحب زادگان بھی نیک ہیں اور دینی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، دینی مدارس کی خدمت بھی کرتے ہیں، خیر آباد کلینڈر پر ایک شان دار مسجد کی تعمیر بھی کی ہے، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے، پس ماندگان کو صبر و اجر کی توفیق دے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ و اٰلہ الصلاۃ والتسلیم۔

نمازِ جنازہ بعد نمازِ جمعہ (۲۲؍ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ/۱۲؍ اکتوبر ۲۰۱۷ء) مولانا محمد عبد المبین نعمانی دار العلوم قادریہ چریا کوٹ (مئو) نے پڑھائی، بعدہ محلہ باز بہادر کے قبرستان میں تدفین ہوئی، اربابِ مدارس اور اہلِ خیر حضرات سے قرآن خوانی و ایصالِ ثواب کی درخواست ہے۔

از: حافظ محمد ارشد، مدرسہ بدر العلوم، گھوسی، مئو

☆☆☆☆

رودادِ چمن

مدارس کے افراد نے ہر دور میں دین اسلام کی حفاظت و صیانت کا قابل قدر فریضہ انجام دیا ہے

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور میں منعقدہ سالانہ جشن یوم مفتی اعظم ہند کی تقریب سے ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم کا خطاب

مبارک پور، اعظم گڑھ (نامہ نگار) مدارس اپنے مخصوص پس منظر اور خدمات کے لحاظ سے اسلامی معاشرے کا ایک اہم حصہ ہیں جن کی تاریخ اور خدمات سنہرے الفاظ سے لکھے جانے کے قابل ہیں، ان میں پڑھنے والے اور پڑھانے والے نفوس قدسیہ نے ہر دور میں باوجود بے سروسامانی کے دین اسلام کی حفاظت و صیانت کا قابل قدر فریضہ انجام دیا ہے ۔مذکورہ خیالات کا اظہار بحیثیت مہمان خصوصی ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی ڈین فیکلٹی اسلامیات جامعہ ہمدرد دہلی نے ”دینی مدارس کا قیام اور ان کے اغراض و مقاصد“ کے عنوان پر الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے طلبۂ جماعت سابعہ کے زیر اہتمام جامعہ ہذا کے وسیع صحن میں منعقدہ ”جشن یوم مفتی اعظم ہند“ کی عظیم الشان تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ ڈاکٹر موصوف نے مزید کہا کہ ان مدارس کے قیام کا پس منظر یہی تھا کہ جب حکومتوں نے اسلام کی نشر و اشاعت میں دلچسپی لینا بند کر دی اور اسلامی تعلیم و تربیت میں مجرمانہ تغافل برتا تو علمائے اسلام نے ارباب حکومت اور اصحاب اختیار کی اس کوتاہی کی تلافی یوں کی کہ دینی تعلیم و تربیت کے ادارے قائم کیے جو عوام کے رضاکارانہ عطیات و صدقات اور خیرات سے چلتے تھے یہ دینی ادارے بالعموم سرکاری سرپرستی سے محروم ہی رہے ہیں اور اسی میں ان کے تحفظ و بقا کا راز مضمر ہے ۔مدارس و مکاتب کے ذریعہ ہر زمانے میں قومی مقاصد کی تکمیل ہوئی ہے۔ مولانا عبدالحق مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے حضور مفتی اعظم ہند کی حیات و خدمات پر مفصل روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آپ زہد و تقویٰ کے عظیم پیکر تھے، آپ کی زندگی اسوۂ رسول کا نمونہ تھی۔ سراج الفقہا مفتی محمد نظام الدین رضوی صدرالمدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ نے جماعت سابعہ کی جانب سے شائع کی گئی کتاب ”تانیب الخطیب علی ماساقہ فی ترجمۃ ابی حنیفۃ من الاکاذیب“ کا رسم اجرا کرتے ہوئے اس کتاب کی اہمیت و افادیت پر بہت ہی اہم تعارف پیش کیا۔ آپ نے کہا کہ اس کتاب میں خطیب بغدادی کے ذریعہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ پر ایک سو پچاس اعتراضات کے مدلل جوابات ہیں۔ آپ نے طلبۂ جماعت سابعہ کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے انھیں مستقبل میں قوم کی فلاح و بہبود اور اسلام و سنیت کے بیش بہا خدمات پیش کرنے کی نصیحت کی۔ تقریب کا آغاز محمد رضا نوری کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا ،بعدہ منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ صدارت خیر الاذکیا علامہ محمد احمد مصباحی ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ اور نظامت مفتی زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ نے کی۔ جب کہ سرپرستی عزیز ملت علامہ شاہ عبدالحفیظ سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے فرمائی۔ ملحوظ رہے کہ اس موقع پر مختلف عناوین میں متعدّد مدارس کے طلبہ نے تحریری و تقریری مقابلہ میں شرکت کی اور ہر عنوان میں اول دوم اور سوم پوزیشن حاصل کرنے والے طلبہ کو مہمانان کے بدست خصوصی اور بقیہ کو تشجیعی انعامات دے کر ان کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اخیر میں جماعت سابعہ کی جانب سے ہدیہ تشکر پیش کیا گیا۔ بعدہ صلوٰۃ و سلام اور دعا پر تقریب کا اختتام ہوا۔

اس موقع پر مولانا مبارک حسین مصباحی، مولانا نعیم الدین عزیزی، مولانا نفیس احمد مصباحی، مولانا صدر الوریٰ مصباحی، مولانا اختر حسین فیضی، مولانا ناظم علی مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی، مولانا حسیب اختر مصباحی، ڈاکٹر محب الحق ۔ مولانا نعیم اختر مصباحی، حاجی سلیمان اختر شمسی، کونسلر سلیمان انصاری، حاجی اسرار الحسن ،حاجی محمود اختر نعمانی، حاجی شکیل احمد سہارا، حاجی شمشاد، سہیل احمد عرف گڈو وغیرہ کے علاوہ کثیر تعداد میں اساتذہ و طلبہ موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ روزنامہ انقلاب

جن طلبہ کو پروگرام میں انعام سے نوازا گیا ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

تحریری مسابقہ

جماعت اعدادیہ: موضوع- حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) عبدالعلیم، سنت کبیر نگر (۲) توقیر رضا، سمستی پور

(۳) ابو طلحہ، سدھارتھ نگر۔

جماعت اولیٰ: موضوع- حضرت سلیمان بن مہران اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(۱) عبدالمتین انصاری، بکارو (۲) محمد مجاہد حسین جموئی

(۳) سراج احمد، کشن گنج...... **(باقی ص:۵۶ پر)**

خیر و خبر

جلسہ شہدائے کربلا وجشنِ یومِ تاسیس مدرسہ حنفیہ

قرآن کریم نبیٔ آخر الزماں ﷺ کا عظیم معجزہ ہے۔ مدارس فروغ علم و مذہب کے مراکز ہیں۔ قرآن کریم کی پہلی آیت تعلیم و تعلم کے متعلق نازل ہوئی اور سرورِ دوجہاں، معلم کائنات ﷺ کو قرآن عظیم کی سب سے پہلے نازل ہونے والی آیتِ کریمہ ”اقرا بسم ربك الذی خلق“ پڑھیے اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا فرمایا، پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ مادی منفعت کی غرض سے دی جانے والی تعلیم سے فتنہ وفساد کا اندیشہ رہتا ہے لیکن جس تعلیم کی ابتدا اللہ کے نام سے ہوتی ہے اس سے امن وسکون کا ماحول قائم ہوتا ہے۔ ان خیالات کا اظہار علامہ مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور نے مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن شاہی مسجد بڑا چاند گنج کے طلبا کی انجمن ”فیضان نوری“ کے تحت مدرسہ کے ۲۷ویں ”یوم تاسیس و جلسہ شہدائے کربلا“ کو خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ قرآن ایک پر تاثیر اور زندہ کتاب ہے اس کی حفاظت اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے۔ انہوں نے کہا کہ قرآن کی جمع و تدوین اور اس کی حفاظت میں حضرت ابوبکر صدیق اکبر و حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلیدی کردار ادا کیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قرآن کے متعدد نسخے لکھوائے اسی لیے آپ کو جامع القرآن کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں عہدِ رسالت کے سب سے عظیم قاری کی اقتدا میں باضابطہ تراویح کا جماعت سے پڑھنے کا اہتمام فرمایا اور تراویح میں قرآن عظیم کی مکمل تلاوت کرنے کا سلسلہ شروع فرمایا۔ یہ اس کی برکت ہے کہ آج پوری دنیا میں تراویح میں قرآن پڑھا جارہا ہے، اسی کا فیضان ہے کہ آج حفظ و قراءت کے بے شمار مدارس خدماتِ قرآن انجام دے رہے ہیں۔ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن بھی عظیم قرآنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ حفاظ و قراء بھی کلام الٰہی کے محافظ ہیں۔

امام عالی مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ نواسۂ رسول نے اپنے اور اپنے اہل وعیال کے پاکیزہ خون سے دین اسلام کی حفاظت کی۔ حسین شہید ہو کر آج بھی زندہ ہیں اور یزید کا دنیا سے نام ونشان تک مٹ گیا۔ انہوں نے کہا کہ معرکۂ کربلا بچوں، نوجوانوں، بزرگوں اور خواتین سب کے لئے درس فکر وعمل ہے۔ انہوں نے کہا کہ آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے اور ان پر بے انتہا مظالم ڈھائے جارہے ہیں لیکن مسلمان اپنے دین و ایمان سے پھرنے والے نہیں کیونکہ ان کے سامنے اسوۂ حسینی ہے۔ جب جب اسلام اور مسلمانوں پر باطل طاقتیں یلغار کریں گی تو مسلمان امام حسین کا نام لے کر آگے بڑھیں گے اور ظلم کا مقابلہ کریں گے۔ فخر القراء قاری ذاکر علی قادری اور ادارہ کے اساتذہ و اراکین کو مبارکباد پیش کرتے ہوئے علامہ مصباحی نے کہا کہ تعلیم قرآن اور اشاعت مذہب کے لیے آج سے ۲۷ر سال قبل اس ادارے کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ تقریباً تین دہائی کے عرصہ میں ادارہ کو زبردست عروج حاصل ہوا اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضرت قاری نور محمد اشرفی استاذ مدرسہ حنفیہ نے اپنے خطاب میں کہا کہ اللہ رب العزت ہر انسان کو آزمائش میں ڈالتا ہے لیکن جن مشکل آزمائشوں سے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گزرنا پڑا اس کی مثال نہیں ملتی۔ قاری دانش رضا متعلّم مدرسہ ھٰذا نے بھی خطاب کیا۔ جلسہ کی سرپرستی ادارہ کے صدر المدرسین قاری ذاکر علی قادری اور نظامت مولانا محمد عرفان قادری نے کی۔ قبل ازیں جلسہ کا آغاز قاری امان المصطفیٰ کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ قاری تہذیب رضا، قاری محمد ظہیر، ڈاکٹر حمایت حسین جائسی، ملا کرامت سلطانپوری نے نعت ومنقبت پیش کی۔ صلوٰۃ و سلام اور قاری ذاکر علی قادری کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر قاری غلام غوث الوریٰ برکاتی، قاری محمد ایوب اشرفی، قاری تبریز عالم قادری، حاجی محمد افتخار حسین برکاتی، ڈاکٹر نفیس احمد صدیقی، حاجی یار محمد، ماسٹر مرتضیٰ حسین، محمد شاہد خاں، حاجی محمد شبراتی کے علاوہ کثیر تعداد میں اساتذہ وطلباء اور معززین موجود تھے۔

از: محمد فہیم مصباحی، استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، چاند گنج، لکھنؤ

اردو یونیورسٹی حیدر آباد میں فاضل اشرفیہ کی بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر تقرری

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے فارغ التحصیل مولانا ڈاکٹر محمد شاکر رضا مصباحی کی تقرری مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی میں بحیثیت اسسٹنٹ پروفیسر عمل میں آئی ہے۔ یہ مرکزی یونیورسٹی مختلف حیثیت سے اپنا ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔

ڈاکٹر موصوف فرزندان اشرفیہ کی نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، آپ نے جامعہ اشرفیہ سے فضیلت اور اختصاص فی الفقہ کی ڈگری فرسٹ پوزیشن سے حاصل کی ہے۔ علمی گفتگو، بحث و تحقیق اور نئی چیزوں کو حاصل کرنے کا آپ کو شروع سے بڑا شوق رہا، جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد بھی آپ نے اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھا اور السنہ کی مشہور یونیورسٹی "دی انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی حیدر آباد" سے کل وقتی ریسرچ اسکالر کے طور پر عربی زبان و ادب میں ایم اے، پی۔جی۔ڈی۔ٹی۔اے، ایم۔فل، اور پی۔ایچ۔ڈی۔ کی ڈگری حاصل کی۔ پی۔ایچ۔ڈی۔ کے مقالہ میں آپ نے کلاسیکل اردو ناول، امراؤ جان ادا اور مشہور عربی ناول "سلومی فی محب الریح" کے درمیان سیاسی، سماجی، تاریخی اور ثقافتی تقابلی جائزہ بھی پیش کیا۔

موصوف ادبیات عربی کے ماہر ہیں اور عربی زبان بولنے، لکھنے کی پوری دسترس رکھتے ہیں۔ عربی زبان کے موقر رسائل و جرائد میں نئے نئے موضوعات پر آپ کے تقریباً دو درجن مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ آپ کو متعدّد قومی و بین الاقوامی سیمینار میں مقالہ پیش کرنے کا شرف بھی حاصل ہے، عربی زبان کا تدریسی تجربہ بھی رکھتے ہیں۔

انھیں گوناگوں صلاحیتوں کی بنیاد پر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدر آباد کے سلیکشن بورڈ نے باتفاق رائے عربی زبان و ادب کے اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے موصوف کا انتخاب کیا ہے۔ واضح رہے کہ مولانا پہلے مصباحی ہیں جو کسی سینٹرل یونیورسٹی کے ڈپارٹمنٹ آف عربک میں اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے ہیں۔ آپ کی مسلسل تگ و دو اور اس عظیم کامیابی پر ہم فرزندان اشرفیہ حیدر آباد صمیم قلب سے آپ کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور اللہ رب العزت سے آپ کی مزید علمی و عملی ترقی کے لیے دعاگو بھی ہیں۔

از: (مولانا) عبدالخالق مصباحی

ایم۔اے۔ انگلش اینڈ فارن لینگویجز یونیورسٹی، حیدر آباد

اورنگ آباد میں شہید اعظم کانفرنس

۵ر محرم الحرام ۱۴۳۹ھ کو "صبر حسین کمیٹی" کے زیر اہتمام محلہ نور باغ اورنگ آباد میں بنام "شہید اعظم کانفرنس" کا انعقاد کیا گیا جس کا آغاز حضرت مولانا قاری کامران علی خطیب و امام نوریہ مسجد کی تلاوتِ کلامِ پاک سے ہوا۔ جناب شیر محمد فیضی، فرید سریاوی روہتاس اور شہباز رضا کلکتہ نے نعت و منقبت پیش کیے، مسندِ صدارت پر حضرت مولانا سید ظفر امام اورنگ آبادی جلوہ بار تھے۔ نظامت حضرت مولانا ڈاکٹر یعقوب اختر مصباحی نے بحسن و خوبی انجام دیے، انھوں نے بتایا کہ آلِ رسول کی محبت اسلام میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ مقرر خصوصی حضرت مولانا سید اقبال حسنی مصباحی گیاوی نے فرمایا کہ کربلا کے میدان میں نواسۂ رسول نے جو قربانیاں پیش کیں وہ در حقیقت اسلام کی حفاظت تھی اور یہ انھیں معلوم تھا کہ شہید فی سبیل اللہ مر کر فنا نہیں ہوتا، بلکہ شہادت کی صورت میں حقیقی زندگی کا حصول ہوتا ہے، اس کے علاوہ دیگر علماے کرام و معززین شریک تھے۔ جناب ابرار احمد، اظہر حسین، سونو بابو وغیرہ پیش پیش رہے۔

از: حافظ تنویر عالم عزیزی اورنگ آباد، بہار

مبارک پور میں سالانہ جلسہ شہداے کربلا

مبارک پور، اعظم گڑھ (نامہ نگار) یہ ہماری اور عالم اسلام کی خوش نصیبی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے پیارے محبوب ﷺ کی محبوب امت میں بنایا۔ ہمارے پیغمبر ﷺ تمام انبیاے کرام اور رسولان عظام میں ممتاز ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا آخری پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ رحمت دو جہاں ہیں آپ سب سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد ذکور بھی عطا فرمائی مگر انھیں اپنے حکم اور آپ کی مرضی سے اٹھا لیا، آپ کی نسل پاک آپ کے نواسوں شہیدِ معظم حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شہید اعظم حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی۔ ان خیالات کا اظہار مفکر اسلام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ نے محلہ کٹرہ میں منعقدہ سالانہ ذکر شہداے کربلا کی محفل سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ الحاج عبد المجید انصاری مبارک پوری کی زیر قیادت ہونے والے اس یادگار پروگرام میں تفصیلی خطاب کرتے ہوئے مزید فرمایا کہ "حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۵ر شعبان ۴ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوئی، سرکار علیہ السلام نے آپ کا نام حسین رکھا کان میں اذان دی، منھ میں لعاب دہن ڈالا، اور ساتویں دن اپنی لخت جگر حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عقیقہ کرنے کا حکم دیا، سرکار ﷺ دونوں بھائیوں حسنین کریمین سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ آپ کو حضرت امام

حسین کی شہادت کی خبر شیر خوارگی کے عہد میں ہی مل چکی تھی۔ فرشتے نے میدان کربلا سے آپ کے مقتل کی مٹی بھی لاکر دی تھی۔ آپ نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھ کر ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عطا فرمائی تھی۔ کہ اے میری اہلیہ جب میرا فرزند کربلا کی سرزمین پر جام شہادت نوش کرلے گا تو یہ مٹی خون ہوجائے گی۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب ۵۶ برس ۵ ماہ ۵ دن کی عمر میں قاتل یزیدیوں کے ہاتھوں ۶۱ ہجری کو جمعہ کے وقت شہید ہوئے تو یہ مٹی خون ہوگئی۔ حضرت علامہ مصباحی موصوف نے کربلا کے دیگر احوال و وقائع پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی۔ حضرت عباس علم بردار، حضرت علی اکبر، حضرت علی اصغر وغیرہ جانثاروں پر بھی بھرپور اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کیا۔ پروگرام کا آغاز مولانا رضوان احمد کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، محمد سفیان جین پوری اور حافظ عبدالرحمن نے نعت و منقبت پیش کرکے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ صلاۃ و سلام کے بعد مفکرِ اسلام حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی نے رقت انگیز دعا فرمائی۔ آپ نے خاص طور پر موجودہ حالات کی صلاح و فلاح کے لیے دعا کی، اس وقت یمن، شام، فلسطین، عراق اور میانمار کے مسلمانوں کے لیے دعا فرمائی، اس موقع پر الحاج محمد مظہر، حاجی عطاء اللہ انصاری، ڈاکٹر حبیب اللہ، حاجی محمد مونس، حبیب الرحمن، حافظ کمیل اشرف، محمد ادریس علی مبارک پوری وغیرہ کے علاوہ کثیر تعداد میں سامعین موجود تھے۔

از: رحمت اللہ مصباحی، نمائندہ روزنامہ انقلاب

(ص: ۵۳ کا بقیہ)....

جماعت ثانیہ: موضوع- فضائل صحابہ قرآن و حدیث کی روشنی میں

(۱) محمد شاداب، اڑیسہ (۲) احمد رضا، ۲۴/ پرگنہ

(۳) محمد ایاز رضا، کولکاتا

جماعت ثالثہ: موضوع- رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی زندگی، طریقۂ تبلیغ اور صحابہ کی قربانیاں

(۱) افضل حسین، سیتامڑھی (۲) محمد شاہنواز عالم، گیا

(۳) محمد کلیم رضا، ہزاری باغ

جماعت رابعہ: موضوع- خلافتِ راشدہ ایک مثالی نظامِ حکومت

(۱) محمد حسّان، سنت کبیر نگر (۲) محمد امام الدین، بنارس

(۳) محمد افسر رضا، کشن گنج

جماعت خامسہ: موضوع- علومِ حدیث میں علماے اہلِ سنت کی خدمات۔

(۱) محمد احمد خان، گونڈہ (عربی) (۲) محمد امتیاز احمد، پورنیہ

(۳) ابوذر غفاری، پرولیا

جماعت سادسہ: موضوع- عہدِ اکبری کا الحاد اور علماے حق و علماے سو۔

(۱) محمود احمد، سلطان پور (۲) محمد آصف رضا، فتح پور

(۳) محمد سلیم الدین، بھاگل پور

جماعت سابعہ: موضوع- فتاویٰ مفتیِ اعظم ہند، تعارف و جائزہ

(۱) محمد فیصل رضا، سمستی پور (۲) محمد ریاض الدین، مظفر پور

(۳) نازش رضا، مدھوبنی

جماعت فضیلت: موضوع- المجمع الاسلامی، علمی اور اشاعتی خدمات۔

(۱) محمد رضوان، بلرامپور (۲) سراج احمد، گونڈہ (عربی)

(۳) عبدالمنان، شراوستی (عربی)

جماعت تحقیق: موضوع- علمِ دین کی نشر و اشاعت میں الجامعۃ الاشرفیہ کا کردار۔

(۱) محمد التمش انصار، مشقِ افتا، پرتاپ گڑھ

(۲) محمد شہاب احمد، مشقِ افتا، ارول

(۳) محمد عامر، تحقیق فی الفقہ، شاہجہان پور

تقریری مسابقہ

(عربی): (۱) محمد سلیم الدین، سادسہ، بھاگل پور

(۲) محمد معظم رضا، سابعہ، پورنیہ

(۳) محمد امجد رضا، سابعہ، اورنگ آباد

(اردو): (۱) محمد ریاض عالم، فضیلت، کٹیہار

(۲) محمد مناظر حسین، سابعہ، بانکا

(۳) اویس احمد، سابعہ، امبیڈکر نگر

(انگریزی): (۱) عبدالسلام، فضیلت، مدنا پور

(۲) عطاء المصطفیٰ، فضیلت، مراد آباد (۳) مسعود علی، سابعہ، مالدہ

ہدیۂ تشکر: محمد سیف صدیقی، سابعہ، لکھنؤ

ترانۂ اشرفیہ: عبدالعلیم، سابعہ

از: جماعتِ طلبۂ سابعہ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور